سورة الروم

ایاتها ۶۰ ۔ ۳۰ سورۃ الروم مکیۃ ۸۴ ۔ رکوعاتها ۶

سورۂ روم تمام کی تمام مکی ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں اس کی ساٹھ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۵﴾

”الف، لام، میم، ہرا دیئے گئے رومی پاس کی زمین میں اور وہ ہار جانے کے بعد ضرور غالب آئیں گے چند برس کے اندر، اللہ ہی کا حکم ہے پہلے بھی اور بعد بھی اور اس روز خوش ہوں گے اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی مدد سے، وہ مدد فرماتا ہے جس کی چاہتا ہے اور وہی سب پر غالب ہے ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“۔

الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ امام ترمذی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے جب بدر کا دن تھا تو رومی ایرانیوں پر غالب آئے اس امر نے مومنوں کو خوش کیا تو یہ آیات نازل ہوئیں (1)۔ فرمایا: مومن رومیوں کے ایرانیوں پر غالب آنے سے خوش ہو گئے۔ کہا: یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔ نصر بن علی جہضمی نے غَلَبَتِ الرُّوْمُ پڑھا (2) اور اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مکمل روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا: یہ غَلَبۃً اور غُلِبت ہے (3)۔ مشرک یہ پسند کرتے تھے کہ ایرانی رومیوں پر غالب آئیں کیونکہ وہ بت پرست تھے۔ مسلمان یہ پسند کرتے تھے کہ رومی ایرانیوں پر غالب آئیں کیونکہ وہ اہل کتاب تھے۔ مشرکوں نے اس کا ذکر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا اور حضرت ابو بکر صدیق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا، فرمایا: ”خبردار وہ عنقریب غالب آئیں گے“۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر ان سے کیا۔ مشرکوں نے کہا: ہمارے اور اپنے درمیان اس کی مدت معین کرو اگر ہم غالب رہے تو ہمارے لیے یہ ہوگا۔ اگر تم غالب رہے تو تمہارے لیے یہ ہوگا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے پانچ سال کی مدت کا تعین کیا رومی اس عرصہ میں ایرانیوں پر غالب نہ آئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کا

1۔ جامع ترمذی، سورۂ روم، جلد 2، صفحہ 150 2۔ جامع ترمذی، باب ومن سورۃ الروم، حدیث نمبر 3117، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 296

ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تو نے اس سے زیادہ کا عرصہ کیوں نہیں معین کیا میرا خیال ہے تو نے دس سال کیوں نہیں معین کیا(1)''۔ ابو سعید نے کہا: بضع سے مراد دس سے کم ہے۔ فرمایا: پھر بعد میں رومی غالب آگئے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ﴿۲﴾ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ ہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ ﴿۳﴾ فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ ۬ؕ لِلّٰہِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَ مِنۡۢ بَعۡدُ ؕ وَ یَوۡمَئِذٍ یَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴﴾ بِنَصۡرِ اللّٰہِ سے یہی مراد ہے۔ سفیان نے کہا: میں نے سنا وہ ایرانیوں پر بدر کے روز غالب آئے۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے(2)۔ اور اسے نیار بن مکرم اسلمی سے بھی روایت کیا ہے۔ کہا: جب یہ آیات نازل ہوئیں ان دنوں میں ایرانی رومیوں پر غالب تھے۔ مسلمان یہ پسند کرتے تھے کہ رومی ایرانیوں پر غالب آئیں کیونکہ مسلمان اور وہ اہل کتاب تھے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا۔ وَ یَوۡمَئِذٍ یَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴﴾ بِنَصۡرِ اللّٰہِ ؕ یَنۡصُرُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵﴾ قریش یہ پسند کرتے تھے کہ ایرانی رومیوں پر غالب آئیں کیونکہ مشرک اور ایرانی اہل کتاب نہیں تھے اور نہ کسی دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان رکھتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ کے اطراف میں چیخ چیخ کر یہ آیات سنا رہے تھے: الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ﴿۲﴾ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ ہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ ﴿۳﴾ فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ قریش کے کچھ لوگوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: یہ ہمارے اور تمہارے درمیان شرط ہے تیرا صاحب یہ گمان کرتا ہے کہ رومی چند سالوں میں فارس پر غالب آجائیں گے کیا ہم تیرے ساتھ باہم شرط نہ باندھ لیں؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں۔ یہ واقعہ شرط باندھنے کی حرمت سے پہلے کا ہے۔ حضرت ابو بکر اور مشرکوں نے شرط لگائی۔ اور رہن کے طور پر کوئی چیزیں رکھ دیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: تو بضع سے کتنے سال مراد لیتا ہے تین سال یا نو سال؟ تو ہمارے اور اپنے درمیان درمیانی مدت مقرر کرو جس پر تو اپنی شرط کا اختتام چاہتا ہے انہوں نے آپس میں چھ سال مقرر کر دیئے رومیوں کے غلبہ سے قبل چھ سال گزر گئے، مشرکوں نے حضرت ابو بکر صدیق کا رہن شدہ مال لے لیا جب ساتواں سال داخل ہوا تو رومی ایرانیوں پر غالب آگئے۔ مسلمانوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر چھ سال مقرر کرنے پر عیب لگایا۔ کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بِضۡعِ سِنِیۡنَ فرمایا۔ کہا: اس موقع پر بے شمار لوگ مسلمان ہو گئے۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے(3)۔ قشیری، ابن عطیہ اور دوسرے علماء نے کہا: جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت ابو بکر صدیق مشرکوں کے پاس گئے فرمایا: کیا تمہیں یہ بات خوش کرتی ہے کہ رومی غالب آئیں؟ کیونکہ ہمارے نبی نے ہمیں خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وہ چند سالوں میں عنقریب غالب آئیں گے۔ ابی بن خلف اور اس کے بھائی امیہ نے آپ کو کہا: ایک قول یہ کیا جاتا ہے ابو سفیان بن حرب نے کہا: اے ابا فصیل! وہ کنایہ کے طور پر ''ابا بکر'' کی جگہ یہ استعمال کرتے تھے۔ آؤ ہم شرط باندھ لیں اور اس کے لیے کوئی چیز رہن کے طور پر رکھ لیں۔ حضرت ابو بکر صدیق نے ان کے ساتھ شرط باندھ لی اور مال رہن کے طور پر رکھ لیا۔

1۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 1، صفحہ 276

2۔ جامع ترمذی، باب و من سورۃ الروم، حدیث نمبر 3117، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ ایضاً، حدیث نمبر 3118

قتادہ نے کہا: یہ واقعہ اس وقت ہوا جب ابھی قمار حرام نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے رہن کے طور پر پانچ اونٹنیاں رکھیں اور مدت تین سال مقرر کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے رہن کے طور پر تین اونٹنیاں رکھیں پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بتایا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تو نے اس کے لمبے عرصے کو کیوں پیش نظر نہیں رکھا، کیونکہ بضع تین، نو اور دس کے درمیان ہوتا ہے بلکہ واپس جاؤ رہن کے مال میں اضافہ کرو اور ان سے مدت بھی زیادہ لو" (1)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ انہوں نے اونٹنیاں سو کر دیں اور عرصہ نو سال کر دیا۔ رومی اس کے دوران غالب آ گئے۔ امام شعبی نے کہا: وہ نو سال میں غالب آ گئے۔ قشیری نے کہا: روایات میں مشہور یہ ہے کہ رومیوں کا غلبہ اس وقت سے ساتویں سال میں ہوا تھا جس وقت ایرانی رومیوں پر غالب آئے تھے۔ ممکن ہے شعبی سے جس نے روایت کی ہے اس سے سات سے نو میں تصحیف ہوئی ہو۔

بعض روایات میں ہے کہ اونٹنیاں سات سے نو کیں۔ یہ کہا جاتا ہے: یہ کسری ابرویز کی آخری فتح تھی جس میں اس نے قسطنطنیہ کو فتح کیا یہاں تک کہ اس میں ایک آتشکدہ بنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی تو آپ کو بری لگی تو اللہ تعالیٰ نے ان دو آیات کو نازل فرمایا۔ نقاش اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کا ارادہ کیا تو ابی بن خلف نے انہیں پکڑ لیا اور کہا: مجھے رہن کا کوئی ضامن دیجئے اگر رومی مغلوب رہیں تو حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے بیٹے عبدالرحمن کو ضامن بنایا جب ابی نے احد کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو عبدالرحمن نے اس سے ضامن طلب کیا تو اس نے ضامن دیا۔ پھر ابی مکہ مکرمہ میں اس زخم کی وجہ سے مر گیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لگایا تھا۔ رومی صلح حدیبیہ کے موقع جب کہ شرط باندھے نو سال گزرے تھے ایرانیوں پر غالب آئے۔ امام شعبی نے کہا: ابھی وہ عرصہ نہیں گزرا تھا یہاں تک کہ رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے۔ انہوں نے اپنے گھوڑے مدائن میں باندھے اور وہاں رومیہ بنایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ابی پر شرط میں غالب رہے۔ اور اس کے وارثوں سے شرط کا مال لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اسے صدقہ کر دو" تو انہوں نے اس کو صدقہ کر دیا۔ مفسرین نے کہا: رومیوں کے ایرانیوں پر غلبہ کا سبب ایک عورت تھی وہ فارس میں رہتی وہ بادشاہوں اور بہادروں کو ہی جنا کرتی تھی۔

کسریٰ نے کہا: میرا ارادہ ہے کہ میں تیرے بیٹوں میں سے ایک کو اس لشکر پر امیر مقرر کروں جس کو میں رومیوں سے جنگ کرنے کے لیے تیار کر رہا ہوں۔ اس عورت نے کہا: یہ ہرمز ہے جو لومڑی سے مکار اور شکرے سے زیادہ محتاط ہے یہ فرخان ہے جو تلوار سے تیز اور تیر سے زیادہ پار ہونے والا ہے۔ یہ شہر بزان ہے یہ فلاں سے زیادہ حلم والا ہے اس کا انتخاب کر لے۔ کہا: اس نے حلیم کو منتخب کر لیا اور اسے اس لشکر کا سپہ سالار بنا دیا وہ اہل فارس کے ساتھ رومیوں کی طرف چلا اور رومیوں پر غالب رہا۔ عکرمہ اور دوسرے علماء نے کہا: شہر بزان جب رومیوں پر غالب آ گیا اس نے ان کے گھروں کو برباد کر دیا یہاں تک کہ خلیج تک جا پہنچا۔ اس کے بھائی فرحان نے اسے کہا: میں نے اپنے آپ کو کسریٰ کے تخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا ہے۔

1۔ شرح مشکل الآثار، باب فی البضع ما ھو، جلد 7 صفحہ 441

کسریٰ نے شہر بزان کی طرف لکھا: میرے پاس فرخان کا سر بھیج دو تو اس نے ایسا نہ کیا کسریٰ نے ایرانیوں کی طرف خط لکھ بھیجا: میں نے تم پر فرخان کو امیر مقرر کیا ہے اور شہر بزان کو معزول کر دیا ہے اور فرخان کی طرف خط لکھا جب وہ لشکر کا والی بن جائے تو وہ شہر بزان کو قتل کر دے۔ فرحان نے شہر بزان کے قتل کا ارادہ کیا تو شہر بزان نے اسے کسریٰ کے تین خط نکال کر دیئے جن میں وہ فرخان کے قتل کا اسے حکم دیتا ہے۔ شہر بزان نے فرخان سے کہا: کسریٰ نے تین خط لکھے کہ میں تجھے قتل کر دوں میں نے تیرے معاملہ میں ہمیشہ اس کے حکم کو ٹال دیا، کیا تو مجھے ایک خط کی وجہ سے قتل کرتا ہے؟ اس نے حکومت اپنے بھائی کے سپرد کر دی۔ شہر بزان نے قیصر جو رومیوں کا بادشاہ تھا کی طرف خط لکھا، دونوں نے کسریٰ کے خلاف تعاون کا فیصلہ کیا۔ رومی فارس پر غالب آ گئے اور کسریٰ مر گیا۔ حدیبیہ کے دن نبی کریم ﷺ کو یہ خبر ملی۔ حضور ﷺ کے ساتھ جو مسلمان تھے وہ سب خوش ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مقصود ہے۔ اَدْنَى الْاَرْضِ سے مراد شام کا علاقہ ہے۔ عکرمہ نے کہا: اذرعات کا علاقہ ہے؛ یہ عرب اور شام کے علاقہ کے درمیان کا علاقہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیصر نے ایک امیر بھیجا جس کا نام یحنس تھا اور کسریٰ نے شہر بزان کو بھیجا ان کا مقابلہ اذرعات اور بصرہ میں ہوا یہ عرب اور عجم کی سرزمین کے شام کا قریبی علاقہ ہے۔ مجاہد نے کہا: مراد جزیرہ ہے یہ عراق اور شام کے درمیان کا علاقہ ہے۔ مقاتل نے کہا: مراد اردن اور فلسطین کا علاقہ ہے(1)۔ ادنیٰ کا معنی سب سے قریب ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: اگر واقعہ اذرعات میں ہوا تو مکہ کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ قریب ترین علاقہ ہے(2) اس کا ذکر امرؤ القیس نے کیا ہے:

تنورتها من أذرعات وأهلها يثرِبَ أدنى دارِها نظر عالِ(3)

اگر واقعہ جزیرہ میں ہو تو قیاس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ کسریٰ کے علاقہ کے زیادہ قریب ہے۔ اگر یہ واقعہ اردن میں ہوا تو یہ رومیوں کے علاقہ کے زیادہ قریب ہے۔ جب یہ واقعہ ہوا اور رومی مغلوب ہو گئے تو کفار خوش ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بشارت دی کہ رومی عنقریب مغلوب ہوں گے اور جنگ میں انہیں فتح نصیب ہو گی۔

سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعات کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ حضرت ابو سعید خدری، حضرت علی بن ابی طالب اور معاویہ بن قرہ رضی اللہ عنہم نے غُلِبَتِ الرُّوْمُ غین اور لام کے فتحہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ یوم بدر کو جو واقعہ ہوا وہ یہ تھا کہ رومی غالب آئے یہ امر قریش کے کفار پر شاق گزرا اور مسلمان اس سے خوش ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خوشخبری دی کہ وہ چند سالوں میں پھر فتح حاصل کریں گے۔ ابو حاتم نے اس تاویل کا ذکر کیا ہے۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: اکثر لوگوں کی قراءت غُلِبَتِ الرُّوْمُ غین کے ضمہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ حضرت ابو عمر اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دونوں نے غلب الروم پڑھا اور دونوں نے سیغلبون قراءت کی ہے۔ ابو حاتم نے حکایت بیان کی ہے کہ عصمہ نے ہارون سے روایت کی کہ یہ اہل شام کی قراءت ہے۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں: یہ عصمہ ضعیف ہے اور ابو حاتم اکثر اس سے حکایت کرتے ہیں۔ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ قراءت غلبت غین کے ضمہ کے ساتھ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 327 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

ہے۔اس اخبار میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل ہے کیونکہ رومیوں پر ایرانیوں نے غلبہ پایا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خبر دی کہ چند سالوں میں رومی ایرانیوں پر غالب آجائیں گے اور مومن اس سے خوش ہوں گے، کیونکہ رومی اہل کتاب ہیں یہ امر علم غیب سے تعلق رکھتا تھا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ کیا جس سے وہ آگاہ نہیں تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ شرط لگائیں اور شرط میں اضافہ کریں پھر شرط لگانا حرام قرار دیا گیا اور قمار کی حرمت کے ساتھ شرط لگانے کو منسوخ کر دیا۔ابن عطیہ نے کہا: غین کے ضمہ کے ساتھ قراءت زیادہ صحیح ہے(1)۔اس پر اجماع کیا ہے کہ قراءت سیغلبون یاء کے فتحہ کے ساتھ ہے اس سے مراد رومی ہیں۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سیغلبون کو یاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے اس قراءت میں اس معنی کا قلب ہے جس معنی کی روایات تائید کرتی ہیں۔

ابو جعفر نحاس نے کہا: جس نے قراءت کی سَيُغْلَبُوْنَ اس کے نزدیک معنی ہوگا یعنی ایرانی غلبہ کے بعد مغلوب ہو جائیں گے۔روایت بیان کی جاتی ہے کہ رومیوں کا مقابلہ ان سے غزوہ بدر کے دن ہوا جس طرح حضرت ابو سعید خدری کی حدیث میں ہے جو ترمذی شریف میں موجود ہے۔یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے مقام پر ہوا۔اور خبر بیعت رضوان کے دن پہنچی، یہ عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے۔ابن عطیہ نے کہا: دونوں دنوں میں مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد نصیب ہوئی؛ علماء نے ذکر کیا ہے۔

رومیوں کے غلبہ اور ان کے بارے میں غلبہ کی خواہش پر مسلمانوں کی خوشی کی وجہ یہ تھی کہ رومی مسلمانوں کی طرح اہل کتاب تھے اور ایرانی بت پرست تھے۔جس کی وضاحت حدیث میں پہلے گزر چکی ہے۔

نحاس نے کہا: ایک اور قول بھی ہے اور وہ زیادہ بہتر ہے ان کی خوشی کی وجہ یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کو پورا کیا، کیونکہ اس میں نبوت پر دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی کہ کچھ سالوں میں یہ ہوگا تو اسی طرح ہوا۔ابن عطیہ نے کہا: اس کی یہ علت بیان کرنا بھی مناسب ہے جس کا تقاضا محبت کی نظر کرتی ہے کہ چھوٹا دشمن مغلوب ہو جائے کیونکہ وہ معونت میں ہلکا ہوتا ہے۔جب بڑا دشمن غالب آتا ہے تو خوف زیادہ ہوتا ہے۔اس معنی میں غور و فکر کے ساتھ ہی ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین کے غلبہ اور وہ شریعت جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کیا اس کے غلبہ، امتوں پر آپ کے غلبہ کی امید رکھتے تھے، نیز کفار یہ ارادہ کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ایسا حاکم مسلط کر دے گا جو ان کو تہس نہس کر دے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار کو آرام پہنچائے گا۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی خوشی اسی وجہ سے تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی، کیونکہ جبریل امین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یوم بدر کو اس کی خبر دی؛ قشیری نے اسے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال بھی موجود ہے کہ ان کی خوشی ان سب چیزوں کے مجموعہ سے ہو وہ اس لیے خوش ہوتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے دشمنوں پر غلبہ دیا، رومی بھی غالب آ گئے اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ بھی پورا کیا۔ابو حیوہ شامی اور محمد بن سمیقع

1۔المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 327

نے مِنۢ بَعْدِ غَلْبِهِمْ لام کے سکون کے ساتھ قراءت کی ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں؛ جس طرح ظَعْن اور ظَعَن۔
فراء نے گمان کیا ہے کہ اصل من بعد غلبتهم ہے تاء کو حذف کر دیا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ (الانبیاء: 73) میں تاء حذف ہے یہ اصل میں اقامة الصلاة ہے۔ نحاس نے کہا: یہ غلط ہے یہ اہل نحو میں کثیر تعداد پر امر مشتبہ نہیں کیونکہ اقام الصلاۃ مصدر ہے۔ فعل میں کیونکہ حرف میں قاعدہ جاری ہوتا ہے اس لیے مصدر میں بھی قاعدہ جاری ہوگا۔ یہ تاء محذوف حرف علت کے عوض ہے۔ غلب اس میں کوئی حرف علت نہیں اس سے کوئی چیز حذف نہیں۔ اصمعی نے حکایت بیان کی ہے طَرَدَ طَرَدًا، جَلَبَ جَلَبًا، حَلَبَ حَلَبًا، غَلَبَ غَلَبًا اس میں کون سا حذف ہے۔ کیا یہ جائز ہوگا کہ کہا جائے: اَكَلَ اَكْلًا اور جو اس کے مشابہ افعال ہیں کیا اس میں حذف ہے؟
فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ، بِضْعِ میں ہاء حذف ہے تا کہ مذکر اور مونث میں فرق کیا جائے۔ اس بارے میں گفتگو سورۂ یوسف میں گزر چکی ہے اور سنین میں نون مفتوح ہے کیونکہ یہ جمع سالم ہے عربوں میں سے کچھ کہتے ہیں فِیْ بِضْعِ سِنِیْنٍ جس طرح وہ کہتے ہیں: غسلین یہ جائز ہے کہ سنة کی جمع اس طرح بنادی جائے جس طرح ذوالعقول کی جمع واؤ نون اور یاء نون سے بنائی جاتی ہے کیونکہ اس سے کوئی چیز حذف ہے تو یہ جمع اس نقص کے عوض میں ہو جو نقص اس کے واحد میں ہے، کیونکہ سنة کی اصل سنہة یا سنوة ہے۔ اس کے سین کو کسرہ دیا گیا تا کہ اس امر پر دلالت ہو کہ اس کی جمع قیاس سے خارج ہے؛ یہ بصریوں کا قول ہے۔ فراء پر لازم ہوگا کہ وہ اس کو ضمہ دے کیونکہ وہ کہتا ہے: ضمہ واؤ پر دلیل ہے۔ دو قولوں میں سے ایک قول میں سنة کی واؤ کو حذف کیا گیا ہے ہم کسی ایسے آدمی کو نہیں جانتے جو اس کو ضمہ دیتا ہے۔
لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ وہ اپنی قدرت میں منفرد ہے عالم میں جو بھی غلبہ وغیرہ واقع ہوتا ہے وہ بھی اس کی جانب سے، اس کے ارادہ سے اور اس کی قدرت سے ہی ہوتا ہے۔ فرمایا: لِلّٰهِ الْاَمْرُ احکام کا نفاذ اسی کی شان ہے۔ من قبل و من بعد تقدیر کلام یہ ہے: من قبل هذه الغلبة و من بعدها ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے ہر شے سے پہلے ہر شے کے بعد۔ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ دونوں ظرفیں ہیں مبنی برضمہ ہیں کیونکہ یہ جن کی طرف مضاف ہیں ان کے حذف کی وجہ سے یہ معرفہ ہیں اس مضاف الیہ کی وجہ سے جو حذف ہے اس کو یہ دونوں اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہیں۔
یہ اسماء کی تعریف کے خلاف ہیں۔ تضمین میں یہ دونوں حروف کے مشابہ ہیں پس یہ دونوں مبنی ہیں دونوں ضمہ کے ساتھ خاص ہیں کیونکہ یہ دونوں منادی مفرد کے مشابہ ہیں جب یہ نکرہ ہوں اور انہیں مضاف کیا جائے تو ان کی بناء (مبنی ہونا) زائل ہو جاتا ہے، اسی طرح یہ دونوں ہیں تو ان دونوں کو ضمہ دیا گیا اور کہا جاتا ہے: مِنْ قَبْلٍ وَ مِنْۢ بَعْدٍ کسائی نے بنی اسد کے ایک آدمی سے یہ حکایت بیان کی ہے۔ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلِ وَ مِنْۢ بَعْدُ پہلا ظرف کا کلمہ مجرور اور غیر منون ہے اور دوسرا مضموم تنوین کے بغیر ہے۔
فراء نے اسے مِنْ قَبْلِ وَ مِنْۢ بَعْدِ حکایت کی ہے۔ تنوین کے بغیر مجرور ہیں۔ نحاس نے اس کا انکار کیا اور اس کو رد کیا ہے۔ فراء نے اپنی کتاب میں کہا: قرآن میں کثیر اشیاء ہیں جن میں غلطی (1) واضح ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے

1۔ یہ فراء کی خرافات ہیں نحاس نے انہیں کا انکار کیا اور رد کیا ہے۔ مترجم

گمان کیا کہ اسے من قبلِ و من بعدِ پڑھنا جائز ہے یہ بھی جائز ہے من قبلٍ و من بعدٍ کیونکہ یہ دونوں نکرہ ہیں۔ زجاج نے کہا: معنی ہے متقدم اور متاخر۔

وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ ۝ بِنَصْرِ اللَّهِ اس کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے۔ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ اپنے اولیاء میں سے جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے، کیونکہ اس کی مدد اس کے اولیاء کی اس کے دشمنوں کے خلاف غلبہ کی صورت میں مختص ہے۔ جہاں تک اس کے دشمن جو اس کے اولیاء کے خلاف غلبہ پاتے ہیں وہ اس کی مدد نہیں وہ تو آزمائش ہے ہاں اسے ظفر کہا جا سکتا ہے وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ وہ انتقام لینے میں غالب ہے اور اطاعت کرنے والوں پر رحم کرنے والا ہے۔

وَعْدَ اللَّهِ ۖ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ ۝

"یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ وہ جانتے ہیں دنیوی زندگی کے ظاہری پہلو کو اور وہ آخرت سے بالکل غافل ہیں"۔

وَعْدَ اللَّهِ ۖ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ کیونکہ اس کا کلام سچا ہے۔ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ وہ کفار ہیں وہ تعداد میں زیادہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد مشرکین مکہ ہیں۔ وَعْدَ اللَّهِ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے وعد ذلك وعدا پھر وہ جتنا جانتے ہیں اس کی مقدار کو بیان کیا۔ يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وہ اپنی معاش اور دنیا کے امر کو جانتے ہیں۔ وہ کب فصل کاشت کریں، کب کاٹیں، کیسے درخت لگائیں اور کیسے عمارت بنائیں؟ یہ حضرت ابن عباس، عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد محلات بنانا، نہریں کھودنا اور درخت لگانا ہے۔ معنی ایک ہی ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو شیاطین امور دنیا میں سے ان کی طرف القاء کرتے ہیں جب کہ انہوں نے آسمان دنیا سے انہیں چوری چھپے سنا تھا: یہ سعید بن جبیر کا قول ہے(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ظاہر و باطن ہے جس طرح ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: أَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ (الرعد: 33)

میں کہتا ہوں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ظاهر الحياة الدنيا کے زیادہ مناسب ہے یہاں تک کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اللہ کی قسم! ان میں سے ایک کا دنیا کے بارے میں علم اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ وہ درہم کی چھان بین کرتا ہے تو وہ تجھے اس کے وزن کے بارے میں آگاہ کرتا ہے اور وہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھ سکتا۔ ابو العباس مبرد نے کہا: کسریٰ نے اپنے دنوں کی تقسیم کی ہوئی تھی اس نے کہا: ہوا والا دن نیند کے لیے مناسب ہے، بادل والا دن شکار کے لیے مناسب ہے، بارش والا دن شراب پینے اور لہو و لعب کے لیے مناسب ہے اور دھوپ والا دن ضروریات کے لیے مناسب ہے۔ ابن خالویہ نے کہا: وہ دنیا کی سیاست کے بارے میں جو وہ بہتر جانتے تھے یہی ان دنیا کی زندگی میں سے ظاہر کو جاننا ہے۔ وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ وہ آخرت کے بارے میں علم اور عمل سے غافل ہیں۔ ان میں سے بعض نے کہا:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 299 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 300

ومن البلیّة أن تری لك صاحبا فی صورۃ الرجل السمیع البصر

فَطِنَ بِکُلّ مصیبة فی ماله وإذا یصاب بدینه لم یَشْعُر

یہ بھی آزمائش میں سے ہے کہ تو اپنے لیے ایک ایسا ساتھی پائے جو انسان کی شکل میں سننے والا دیکھنے والا ہو۔ وہ اپنے مال میں ہر مصیبت کو سمجھ جاتا ہے۔ اور جب اس کے دین میں مصیبت آتی ہے تو اسے محسوس نہیں ہوتا۔

اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۫ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ⑧

”کیا انہوں نے کبھی غور نہیں کیا اپنے جی میں جنہیں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ اور ایک مقررہ مدت تک کے لیے اور بلاشبہ اکثر لوگ اپنے رب کی ملاقات کے سخت منکر ہیں“۔

فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ یہ تفکر کی ظرف ہے یہ مفعول نہیں یَتَفَكَّرُوْا حرف جر کے ساتھ اس کی طرف متعدی ہے کیونکہ ان کو حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اپنی ذاتوں میں سوچ وبچار کریں انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ آسمان، زمین اور اپنی ذاتوں میں فکر ونظر کو استعمال کریں یہاں تک کہ انہیں علم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور دوسری چیزوں کو حق کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے۔ زجاج نے کہا: کلام میں حذف ہے یعنی فیعلموا کیونکہ کلام میں اس پر دلیل ہے اِلَّا بِالْحَقِّ فراء نے کہا: معنی ہے حق کے لیے یعنی ثواب اور عقاب کے لیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مگر اقامت حق کے لیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بالحق کا معنی عدل کے ساتھ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حکمت کے ساتھ؛ معنی قریب قریب ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا: بِالْحَقِّ وہ حق ہے اور حق کے لیے اسے پیدا کیا۔ وہ اس کی توحید اور قدرت پر دلالت ہے۔ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى آسمانوں اور زمین کے لیے ایک وقت مقرر ہے، جس وقت پر پہنچ کر وہ ختم ہو جائیں گے وہ یوم قیامت ہے۔ یہ فنا پر تنبیہ ہے، اس بات پر تنبیہ ہے کہ ہر مخلوق کے لیے ایک وقت مقرر ہے، محسن کے ثواب اور مسیٔ کے عقاب پر تنبیہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَجَلٍ مُّسَمًّى سے مراد ہے جو بھی پیدا کیا اسے ایسے وقت میں پیدا کیا اس کا نام رکھا کہ اللہ تعالیٰ اس شے کو اس وقت میں پیدا فرمائے گا۔

وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ لام تاکید کے لیے ہے تقدیر کلام یہ ہے لکافرون بلقاء ربھم اس میں تقدیم وتاخیر ہے لکافرون بالبعث بعد الموت۔

وہ موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتے ہیں۔ تو کہتا ہے: ان زیدا فی الدار لجالس اگر تو کہے: ان زیدا لفی الدار لجالس تو یہ بھی جائز ہے اگر تو کہے: ان زیدا جالس لفی الدار تو یہ بھی جائز نہیں ہوگا کیونکہ لام اس لیے لایا جاتا ہے تاکہ اس کے ساتھ ان کے اسم اور اس کی جزا کی تاکید لائی جائے جب تو ان دونوں کو لا چکے تو یہ جائز نہیں کہ تو اس لام کو لائے اس طرح اگر تو کہے: ان زیدا الجالس لفی الدار یہ بھی جائز نہیں۔

اَوَ لَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ وَ عَمَرُوْهَاۤ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ؕ۹

’’کیا انہوں نے سیر وسیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ وہ دیکھتے کیا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے وہ زیادہ تھے ان سے زور میں اور انہوں نے خوب ہل چلائے زمین میں اور انہوں نے اسے آباد کیا اس سے زیادہ جتنا انہوں نے آباد کیا اور آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر پس نہ تھی اللہ کی یہ شان کہ وہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے رہتے تھے‘‘۔

اَوَ لَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا اپنی آنکھوں اور دلوں سے دیکھیں۔ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ یعنی زمین کو زراعت کے لیے الٹ پلٹ کیا کیونکہ اہل مکہ کاشتکار نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تُثِیْرُ الْاَرْضَ (البقرہ:71)

وَ عَمَرُوْهَاۤ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا ان لوگوں نے اسے آباد کیا اس سے بڑھ کر جس قدر ان لوگوں نے اسے آباد کیا ان کی عمارت اور مدت کی طوالت نے انہیں کوئی نفع نہ دیا وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ بینات سے مراد معجزات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد احکام ہیں انہوں نے کفر کیا اور ایمان نہ لائے۔ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ انہیں ان گناہوں کے بغیر، رسولوں کے مبعوث کیے بغیر اور دلیل کے بغیر ہلاک کرے وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ وہ شرک اور نافرمانی کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰۤى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا بِهَا یَسْتَهْزِءُوْنَ ۠۱۰

’’آخر کار ان کا انجام جنہوں نے برائی کی تھی بہت برا ہوا کیونکہ انہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو اور وہ ان کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے‘‘۔

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰۤى، السُّوْٓاٰۤى یہ سوء سے فعلی کا وزن ہے یہ اسوء کا مونث ہے جس کا معنی قبیح ترین ہے جس طرح حسنی یہ احسن کا مونث ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے یہاں نار (جہنم) مراد ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اَسَآءُوا کا معنی ہے انہوں نے شرک کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان: اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ دلالت کرتا ہے۔ السوءی جہنم کا نام ہے جس طرح حسنی جنت کا نام ہے۔ اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ اصل میں لان کذبوا تھا؛ یہ کسائی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ اصل میں بان کذبوا تھا۔ نافع ابن کثیر اور ابو عمرو نے پڑھا ثم کان عاقبة الذین یہ رفع کے ساتھ کان کا اسم ہے اسے مذکر ذکر کیا کیونکہ اس کی تانیث غیر حقیقی ہے۔ السوءی کان کی خبر ہے۔ باقی قراء نے کان کی خبر کی وجہ سے اسے منصوب پڑھا ہے۔ السوءی یہ رفع کے ساتھ کان کا اسم ہے یہ بھی جائز ہے کہ اس کا اسم التکذیب ہو تقدیر

کلام یہ ہوگی۔ ثم کان التکذیب عاقبۃ الذین اساءوا اور السوءی یہ اساءوا کا مفعول مطلق ہوگا یا محذوف کی صفت ہوگا، یعنی الخلۃ السوءی اعمش سے مروی ہے۔ انہوں نے پڑھا ثم کان عاقبۃ الذین أساء والسوء یعنی السوء پر رفع پڑھا۔ نحاس نے کہا: اسوء سے مراد شدید ترین شر ہے السوءی اس سے فعلی کا وزن ہے۔ اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ آیات اللہ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن ہے؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ مقاتل نے کہا: مراد عذاب ہے جو ان پر نازل ہوگا۔ ضحاک نے کہا: مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں (1)۔ وَ كَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ وہ ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ⑪ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ⑫ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآىِٕهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَ كَانُوْا بِشُرَكَآىِٕهِمْ كٰفِرِيْنَ ⑬

''اللہ تعالیٰ ابتدا کرتا ہے تخلیق کی پھر (فنا کرنے کے بعد) دوبارہ پیدا کرے گا اسے پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور جس روز برپا ہوگی قیامت مجرموں کی آس ٹوٹ جائے گی اور نہیں ہوں گے ان کے لیے ان کے شریکوں میں سے شفاعت کرنے والے اور وہ اپنے شریکوں کے منکر ہو جائیں گے''۔

ابو عمرو اور ابو بکر نے یرجعون یاء کے ساتھ پڑھا اور باقی قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا۔ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ابو عبد الرحمٰن سلمی نے یبلس لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا لغت میں معروف یہ ہے أبلس الرجل جب وہ خاموش ہو جائے اور اس کی محبت منقطع ہو جائے، اور اسے امید نہ ہو کہ اس کے لیے حجت ہو، اس کے قریب قریب تحیر ہے جس طرح حجاج نے کہا:

یا صاحِ هل تعرِفُ رَسْمًا مُكْرَسا　قال نعم أعرفه و أبلَسا(2)

اے میرے ساتھی! کیا تو رسم مکرسی جانتا ہے اس نے کہا ہاں میں اسے پہچانتا ہوں اور متحیر ہو گیا۔

بعض نحویوں کا خیال ہے کہ ابلیس اس سے مشتق ہے وہ متحیر ہو گیا کیونکہ اس کی صحبت منقطع ہو گئی اگر بات اس طرح ہوتی جس طرح اس نے کہا تو یہ اسم منصرف ہوتا جب کہ قرآن میں یہ غیر منصرف ہے۔ زجاج نے کہا: مبلس سے مراد ایسی خاموش ہے جس کی حجت منقطع ہو جائے اور ہدایت پانے سے مایوس ہو جائے۔ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآىِٕهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انہوں نے جن کی عبادت کی شُفَعٰٓؤُا وَ كَانُوْا بِشُرَكَآىِٕهِمْ كٰفِرِيْنَ انہوں نے کہا: وہ معبود نہیں انہوں نے معبودوں سے براءت کا اظہار کر دیا اور معبودوں نے ان سے براءت کا اظہار کر دیا جس طرح پہلے کئی مواقع پر گزر چکا ہے۔

وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ⑭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ⑮

''اور جس روز برپا ہوگی قیامت اس دن وہ جدا جدا ہو جائیں گے تو وہ جو ایمان لائے تھے اور نیک عمل کرتے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 301　2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 331

رہے تھے وہ باغ (جنت) میں مسرور (اور محترم) ہوں گے"۔

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَتَفَرَّقُونَ یعنی مومن کافروں سے جدا ہو جائیں گے۔ پھر اس امر کی وضاحت کی کہ وہ کیسے جدا جدا ہوں گے فرمایا: فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا نحاس نے کہا: میں نے زجاج کو کہتے ہوئے سنا: اما کا معنی ہے جس بحث میں ہم پڑے ہوئے ہیں اس کو چھوڑ دو اور کسی دوسری بات میں شروع ہو جاؤ؛ سیبویہ نے اسی طرح کہا ہے۔ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ ضحاک نے کہا: روضہ سے مراد باغ ہے اور ریاض سے مراد باغات ہیں۔ ابو عبید نے کہا: روضہ اسے کہتے ہیں جو نشیبی جگہ میں ہو جب وہ بلند جگہ ہو تو اسے ترعہ کہتے ہیں۔ ایک اور عالم نے کہا: بہترین روضہ وہ ہوتا ہے جو وہ بلند جگہ پر ہو۔ اعشٰی نے کہا:

ما رَوْضَةٌ من رياض الحَزْنِ مُعْشِبَةٌ خضراء جَادَ عليها مُسْبِلٌ هَطِلُ(1)
يضاحِكُ الشمسَ منها كوكبٌ شَرِقٌ مُؤَزَّرٌ بعميم النَّبتِ مُكْتَهِلُ
يومًا بأطيَبَ منها نَشْرَ رائحةٍ ولا بأحسنَ منها إذ دَنَا الأُصُلُ

اونچی جگہ کے باغوں سے بڑھ کر کوئی باغیچہ جو گھاس والا ہو سرسبز و شاداب ہو جس پر موسلا دھار بارش نے سخاوت کی ہو پانی سے لبریز کلیاں سورج کے گرد گھومتی ہیں جنہوں نے مکمل نباتات کا تہبند باندھ رکھا ہے اور وہ نباتات اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے کوئی دن اس سے بڑھ کر زیادہ خوشبو والا نہیں ہوتا اور نہ ہی عصر کے وقت اس سے زیادہ جمال والا ہوتا ہے۔

روضہ نہیں کہا جاتا مگر جب اس میں گھاس ہو اگر اس میں گھاس نہ ہو اور وہ بلند جگہ پر ہو تو اسے ترعہ کہتے ہیں۔ ترعہ کی تعبیر میں اور اقوال بھی ہیں۔ قشیری نے کہا: عربوں کے نزدیک روضہ سے مراد تالاب کے اردگرد سبزیاں ہیں عربوں کے ہاں اس سے حسین ترین چیز کوئی نہیں ہوتی۔ جوہری نے کہا: اس کی جمع روض اور ریاض آتی ہے واؤ یاء ہو گئی ہے کیونکہ اس کا ماقبل مکسور ہے۔ روض جب پانی کی مشکیزہ میں اس کے نصف تک ہو اور حوض میں روضہ اس وقت بولتے ہیں جب پانی اس کے نچلے حصہ کو ڈھانپے ہوئے ہو۔ ابو عمرو نے شعر پڑھا:

وَرَوْضَةٍ سَقَيْتُ منها نِضْوَتِي

کتنے ہی تالاب ہیں جن سے میں نے اپنی سواری کو سیراب کیا۔

يُحْبَرُونَ ضحاک اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے ان کی عزت کی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر انعام کیا جائے گا: یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ خوش ہوں گے۔ سدی نے کہا: وہ خوش ہوں گے۔ عربوں کے ہاں حبرہ سے مراد سرور و فرحت ہے؛ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے۔ جوہری نے کہا: حبر سے مراد حبور ہے جس کا معنی سرور ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے حَبَرَهُ يَحْبُرُهُ حَبْرًا وحَبْرَةً۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ یعنی ان پر انعام کیا جائے گا، ان کی تعظیم کی جائے گی اور وہ خوش ہوں گے۔ رجل يحبور يفعول کا وزن ہے جو حبور سے مشتق ہے۔ نحاس نے کہا: کسائی نے حکایت بیان کی ہے حبرته، میں نے اس کی تعظیم کی میں نے اس پر انعام کیا۔ میں نے علی بن

1۔ تفسیر طبری، جز 21-22، صفحہ 33 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 331

سلیمان کو کہتے ہوئے سنا۔ یہ عربوں کے اس قول سے مشتق ہے: علی اسنانہ حبرۃ یعنی اس کے دانتوں پر اثر ہے۔ یحبرون ان پر نعمتوں کا اثر ہے۔ حبر اس سے مشتق ہے۔ شاعر نے کہا:

لَا تَمْلَأ الدَّلْوَ وَ عَرِّقْ فِيهَا اَمَا تَرَى حَبَارَ مَنْ يَسْقِيهَا

ڈول کو نہ بھر اس میں کچھ جگہ خالی چھوڑ کیا جو پانی پلاتا ہے اس کی فضیلت کو نہیں جانتا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی اصل تحبیر ہے جس کا معنی "تحسین" ہے یحبرون جس کو حسین بنایا جاتا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان حسین الحبر و السبر جب وہ جمیل اور اچھی حالت والا ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: فلان حسن الحبر و السبر یہ گویا تیرے اس قول کا مصدر ہے حبرتہ حَبْرًا جب تو اس کو حسین بنائے۔ پہلا اسم ہے۔

اسی معنی میں حدیث ہے: یخرج رجل من النار ذھب حبرہ و سبرہ ایک آدمی جہنم سے نکلے گا تو اس کا حسن جا چکا ہوگا۔

یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا: فِیْ رَوْضَةٍ یُّحْبَرُوْنَ کا معنی ہے وہ جنت میں غنا سنیں گے؛ یہ اوزاعی کا قول ہے۔ کہا: جب جنتی سماع شروع کریں گے تو جنت میں کوئی درخت نہیں ہوگا مگر وہ تسبیح و تقدیس کے ساتھ اس نغمہ کا جواب دے گا۔ اوزاعی نے کہا: حضرت اسرافیل سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کوئی اچھی آواز والا نہیں جب وہ شروع کریں گے تو ساتوں آسمان والے اپنی نمازیں اور تسبیحات ترک کر دیں گے (1)۔

امام اوزاعی کے علاوہ دوسرے علماء نے کہا: جنت میں کوئی درخت نہیں ہوگا مگر وہ اس کا جواب دے گا۔ کوئی پردہ اور دروازہ نہیں ہوگا مگر اس میں ارتعاش پیدا ہوگا اور وہ کھل جائے گا کوئی حلقہ نہیں رہے گا مگر مختلف آوازوں کے ساتھ بجنے لگے گا۔ اور سونے کی جھاڑیوں میں سے کوئی جھاڑی نہ بچے گی مگر ان کے تنوں سے آواز واقع ہوگی اور وہ تنے بانسری کے نغمے الاپنے لگیں گے، حور عین میں سے کوئی لونڈی نہ رہے گی مگر وہ اپنے نغمے الاپنے لگے گی اور پرندے اپنی سریلی آوازوں میں گانے لگیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو وحی کرے گا کہ انہیں جواب دو اور میرے ان بندوں کو سناؤ جنہوں نے اپنے کانوں کو شیاطین کے مزامیر سے پاک رکھا وہ مختلف روحانی سروں اور آوازوں کے ساتھ جواب دیں گے آوازیں مل جائیں گی تو سب ایک ہی مخلوط آواز بن جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اے داؤد! میرے عرش کے پائے کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور میری بزرگی بیان کرو۔ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے رب کی بزرگی ایسی آواز سے بیان کرنے میں شروع ہو جائیں گے جو تمام آوازوں پر غالب آ جائے گی، انہیں جلا بخشے گی اور لذت کئی گنا بڑھ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے: فَهُمْ فِیْ رَوْضَةٍ یُّحْبَرُوْنَ، ترمذی حکیم نے اس کا ذکر کیا ہے۔

ثعلبی نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نصیحت فرمایا کرتے (2)۔ آپ نے جنت اور اس میں جو کچھ بیویاں اور نعمتیں ہیں ان کا ذکر کیا، لوگوں کے پیچھے ایک بدو بیٹھا ہوا تھا اس نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا جنت میں سماع ہے؟ فرمایا: "ہاں۔ اے بدو! جنت میں ایک نہر ہوگی جس کے دونوں کناروں پر باکرہ عورتیں ہوں

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 292 2۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 471

گی جو پتلی کمروں والی ہوں گی جو مختلف آوازوں میں گانا گائیں گی۔ جس کی مثل مخلوق نے نہ سنا ہوگا یہ جنت کے نعمتوں میں سے افضل نعمت ہوگی''۔ ایک آدمی نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے سوال کیا؟ وہ کیا نغمے گائیں گی؟ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی تسبیح''۔ خمصانیہ سے مراد جن کا لباس اعلیٰ، پتلی کمر اور نچلے والا دھڑ ضخیم۔

میں کہتا ہوں: یہ سب نعیم، سرور اور اکرام میں سے ہے اقوال میں کوئی تعارض نہیں یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے کیا نسبت رکھتے ہیں۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ (السجدہ: 17) جس کا ذکر آئے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: فیھا مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر اس میں ایسی نعمتیں ہوں گی جن کو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا ہوگا، کسی کان نے نہیں سنا ہوگا اور کسی انسان کے دل پر اس کا کھٹکا بھی نہ ہوا ہوگا۔ یہ روایت کی گئی ہے: ''جنت میں ایسے درخت ہیں جن پر چاندی کی گھنٹیاں ہوں گی جب اہل جنت سماع کا ارادہ کریں گے اللہ تعالیٰ عرش کے نیچے سے ایک ہوا بھیجے گا وہ گھنٹیاں ایسی آواز کے ساتھ قرأت کریں گی اگر اہل دنیا اس کو سنیں تو خوشی سے مر جائیں''(1)۔ یہ زمخشری نے ذکر کیا۔

وَ اَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ لِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۝۱۶

''اور جنہوں نے کفر کیا تھا اور جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو تو وہ عذاب میں حاضر رکھے جائیں گے''۔

وَ اَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا اس بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ وَ لِقَآئِ الْاٰخِرَةِ سے مراد بعث ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ وہ عذاب میں مقیم رہیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ جمع ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ نازل ہوں گے، اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اذا حضر احدکم الموت یہاں بھی موت نازل ہوگی؛ یہ ابن شجرہ کا قول ہے، معنی قریب قریب ہے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝۱۷ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِیًّا وَّ حِیْنَ تُظْهِرُوْنَ ۝۱۸

''سو پاکی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو اور اسی کے لیے ساری تعریفیں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں نیز (پاکی بیان کرو) سہ پہر کو جب تم دوپہر کرتے ہو''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ اس میں تین قول ہیں (۱) ان اوقات میں عبادت کے امر اور نماز پر برانگیختہ کرنے کے ساتھ مومنوں کو خطاب ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قرآن میں پانچ نمازوں کا ذکر ہے(2)۔ آپ سے عرض کی

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 471
2۔ تفسیر طبری، جز 21-22، صفحہ 35

گئی کہاں؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ اس سے مراد مغرب اور عشاء کی نماز ہے۔ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ مراد صبح کی نماز ہے۔ وَ عَشِيًّا عصر کی نماز۔ وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ مراد ظہر کی نماز ہے؛ یہ ضحاک اور سعید بن جبیر کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا یہ قول ہے: آیت میں چار نمازوں پر تنبیہ ہے مغرب، صبح، عصر اور ظہر۔ علماء نے کہا عشاء ایک اور آیت میں ہے۔ وہ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ (ہود: 114) اور پردہ کے اوقات میں ہے۔ نحاس نے کہا: اہل تفسیر کا کہنا ہے کہ یہ آیت فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ نمازوں کے متعلق ہے۔ میں نے حضرت علی بن سلیمان کو کہتے ہوئے سنا اس کی حقیقت میرے پاس ہے نمازوں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو کیونکہ تسبیح نماز میں ہوتی ہے۔ یہ دوسرا قول ہے۔ تیسرا قول ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو۔ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ پہلا قول ذکر کیا ہے اس میں لفظ ہے: اللہ تعالیٰ کی نماز پڑھو جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو۔ نماز کو تسبیح کا نام دینے کی دو وجہیں ہیں: (۱) نماز رکوع اور سجود میں تسبیح کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے (۲) یہ سبحہ سے ماخوذ ہے سبحہ کا معنی نماز ہے۔ اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تكون لهم سبحة يوم القيامة قیامت کے روز ان کی نماز ہوگی (1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات پر حمد کے درمیان یہ جملہ معترضہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وَ لَهُ الْحَمْدُ کا معنی ہے نماز اسی کے لیے ہے کیونکہ نماز حمد کی قراءت کے ساتھ خاص ہے۔ پہلا قول زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے حمد اللہ تعالیٰ کی ایک قسم کی تعظیم ہے، اس کی عبادت پر برانگیختہ کرتا ہے اور اس کی نعمت کے دوام پر دلیل ہے۔ یہ نماز کے علاوہ ایک قسم ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ نماز مغرب سے اس کا ذکر شروع کیا کیونکہ رات دن پر مقدم ہوتی ہے سورۂ اسراء میں ظہر کی نماز سے شروع کیا کیونکہ یہ پہلی نماز ہے جو جبریل امین نے پڑھی۔ ماوردی نے کہا: رات کی نماز کو تسبیح کے نام اور دن کی نماز کو حمد کے نام کے ساتھ خاص کیا کیونکہ انسان کو دن کے وقت میں مختلف کاموں میں ادھر ادھر جانا پڑتا ہے۔ جو اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کو واجب کرتے ہیں۔ رات میں خلوت ہوتی ہے جو تمام برائیوں سے اللہ تعالیٰ کی پاکی کو واجب کرتے ہیں، اسی وجہ سے دن کے وقت حمد خاص ہوئی اس کے ساتھ دن کی نماز کا نام رکھا اور رات کے وقت تسبیح خاص ہوئی اس کے ساتھ رات کی نماز کا نام رکھا۔

مسئلہ نمبر 3۔ عکرمہ نے پڑھا ہے حينا تمسون و حينا تصبحون اصل کلام یوں ہے حينا تمسون فيه و حينا تصبحون فيه تخفیف کے لیے فیه کو حذف کر دیا۔ اس میں گفتگو اسی طرح ہے جس طرح اس ارشاد میں گفتگو ہے: وَ اتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا (البقرہ: 48) وَ عَشِيًّا جوہری نے کہا: العشي والعشية سے مراد مغرب کی نماز سے رات کے ایک تہائی کا وقت ہے تو کہتا ہے: أتيته عشية أمس و عشي أمس، عشی کی تصغیر عُشَيَّان ہے۔ یہ اپنے مکبر سے خلاف قیاس ہے، گویا انہوں نے اس کی تصغیر عشيان بنائی۔ اس کی جمع عُشَيَّانات ہے۔ اس کی تصغیر میں عشيشيان ہے جمع عُشَيْشِيَات ہے عشية کی تصغیر عشيشية ہے جمع عُشَيْشِيَات ہے۔ عشاء کسرہ اور مد کے ساتھ عشي کی مثل ہے عشاء ان

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 303

سے مراد مغرب اور عشاء کی نماز ہے۔ ایک قوم کا خیال ہے۔ عشاء سے مراد سورج کے زوال سے لے کر طلوع فجر تک کا وقت ہے۔ انہوں نے یہ شعر پڑھا:

غدونا غدوة سحرا بليل　　عشاء بعد ما انتصف النهار

اس شعر میں بھی عشاء کا لفظ نصف النہار کے بعد سے لے کر اگلے دن کی صبح تک کا لیا گیا ہے۔

ماوردی نے کہا: مساء اور عشاء کے درمیان فرق یہ ہے کہ مساء سے مراد سورج کے غروب ہونے کے بعد تاریکی کا شروع ہونا ہے (1)۔ عشاء سے مراد دن کا آخری پہر ہے جب سورج غروب ہونے کے لیے جھکے۔ یہ عشاء العین سے ماخوذ ہے جس سے مراد آنکھ کے نور کا کم ہونا ہے جس طرح سورج کا نور کم ہو جاتا ہے۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝۱۹

"نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد اور یونہی (قبروں سے) تمہیں نکالا جائے گا"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت کو بیان کیا یعنی جس طرح اس نے زمین کو زندہ کیا اس سے نباتات کو نکال کر، جب کہ اس کا نام ونشان نہ تھا، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں دوبارہ اٹھانے کے ساتھ زندہ کرے گا۔ اس میں قیاس کی صحت پر دلیل ہے۔ سورۂ آل عمران میں يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ کی وضاحت گزر چکی ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝۲۰ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ۝۲۲ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝۲۳ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۲۴ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ مِّنَ الْاَرْضِ ڰ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۝۲۵ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝۲۶

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 304

''اور اس (کی قدرت کی) نشانیوں میں سے (ایک یہ) ہے کہ اس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر تم اچانک بشر بن کر (زمین میں) پھیل رہے ہو اور اس کی (قدرت کی) ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے پیدا فرمائیں تمہارے لیے تمہاری جنس سے بیویاں تا کہ تم سکون حاصل کرو ان سے اور پیدا فرما دیئے تمہارے درمیان محبت اور رحمت (کے جذبات) بے شک اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق ہے نیز تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف، بے شک اس میں بھی نشانیاں ہیں اہل علم کے لیے۔ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے تمہارا سونا رات کے وقت اور دن کے وقت اور تمہارا تلاش کرنا اس کے فضل کو، بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو (غور سے) سنتے ہیں اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ دکھاتا ہے تمہیں بجلی ڈرانے اور امید دلانے کے لیے اور اتارتا ہے آسمان سے پانی اور زندہ کرتا ہے اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل مند ہیں۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ قائم ہے آسمان اور زمین اس کے حکم سے پھر جب بلائے گا تمہیں زمین سے تو تم فوراً باہر نکل آؤ گے۔ اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کے تابع فرمان ہیں''۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ اس کی ربوبیت اور اس کی وحدانیت کی علامات میں سے ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا یعنی تمہارے جد اعلیٰ کو مٹی سے پیدا کیا اور فرع اصل کی طرح ہوتی ہے۔ سورۃ الانعام میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ ان محل رفع میں ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے اسی طرح اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا۔

ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ پھر تم عقلاء ہو، بامعنی کلام کرتے ہو، ایسے امور میں تصرف کرتے ہو جو تمہاری معاش کا سہارا ہیں اس کی یہ شان نہیں کہ وہ تمہیں عبث پیدا کرے جو اس پر قادر ہے وہ عبادت اور تسبیح کا اہل ہے۔ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا یعنی عورتیں جن سے تم سکون حاصل کرتے ہو۔ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ مردوں کے نطفہ سے اور اپنی جنس سے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت حوا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت آدم کی پسلی سے پیدا کیا: یہ قتادہ کا قول ہے(1)۔ وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: مودة سے مراد جماع ہے اور رحمت سے مراد ولد ہے؛ یہ قول حضرت حسن بصری نے بھی کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مودة اور رحمة سے مراد ان کے دلوں کا ایک دوسرے پر مہربانی کرنا ہے۔ سدی نے کہا: مودة سے مراد محبت اور رحمة سے مراد شفقت ہے۔ یہی معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: مودة سے مراد مرد کا اپنی عورت سے محبت کرنا ہے اور رحمة سے مراد مرد کا اپنی عورت کے بارے میں رحیم ہونا کہ اسے کوئی اذیت پہنچائے۔ یہ کہا جاتا ہے: مرد کی اصل زمین ہے اس میں زمین کی قوت ہے اس میں شرمگاہ ہے جس سے اس کی تخلیق کا آغاز ہوا تو اسے ضرورت تھی کہ جس سے وہ سکون حاصل کرے عورت کو پیدا کیا گیا تا کہ مرد اس سے سکون حاصل

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 305

کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ اور فرمایا: وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا مرد کو عورت سے پہلا فائدہ جو ہوتا ہے وہ یہ ہے اسے عورت سے سکون حاصل ہوتا ہے کیونکہ مرد میں قوت کا جوش ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب شرمگاہ اس میں موجود ہے تو پشت کا پانی اس کی طرف ہیجان کرتا ہے تو مرد عورت سے ہی سکون حاصل کرتا ہے اور عورت کے ذریعے وہ اس ہیجان سے خلاصی پاتا ہے۔ عورتوں کے بضع مردوں کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ (الشعراء: 166) اللہ تعالیٰ نے مردوں کو آگاہ کیا کہ عورتوں کا وہ حصہ مردوں کے لیے پیدا کیا گیا تو عورت پر لازم ہے کہ خاوند جب بھی اسے دعوت دے وہ اسے پیش کر دے۔ اگر وہ ایسا کرنے سے رک جاتی ہے تو وہ ظالم اور حرج عظیم میں مبتلا ہے۔ تیرے لیے وہ حدیث کافی ہے جو صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! جو مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر آنے کی دعوت دیتا ہے وہ عورت اس کے پاس آنے سے انکار کر دیتی ہے تو آسمان میں جو بھی ہے وہ اس پر ناراض ہو جاتا ہے یہاں تک کہ خاوند اس عورت پر راضی ہو جائے'' (1)۔ ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں: ''جب ایک عورت اپنے خاوند کے بستر سے علیحدہ رات گزارتی ہے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ صبح کرتی ہے'' (2)۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وہ اعتراف کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے۔ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ زبان منہ میں ہوتی ہے اس کی کئی لغتیں ہیں: عربی، عجمی، ترکی اور رومی۔ رنگوں کا اختلاف صورتوں میں ہوتا ہے سفید، سیاہ، سرخ۔ تو کسی کو نہیں دیکھے گا مگر تو اس کے اور اس کے غیر میں فرق کر لے گا۔ یہ نطفہ کے افعال نہیں، یہ والدین کے افعال میں سے نہیں، کسی نہ کسی فاعل کا ہونا ضروری ہے تو اس سے معلوم ہو گیا کہ فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے مدبر اور باری (خالق) ہونے پر قطعی دلیل ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ اس میں نیک و بد کے لیے نشانیاں ہیں۔ حفص نے اسے للعالمین لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ عالم کی جمع ہے۔ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس آیت میں تقدیم و تاخیر کا قاعدہ ہے۔ معنی ہے اس کی آیات میں سے ہے کہ تم رات کو سو جاتے ہو اور دن کے وقت اس کا فضل تلاش کرتے ہو۔ النہار سے پہلے حرف جار کو حذف کر دیا گیا کیونکہ یہ اللیل کے ساتھ متصل ہے اور النہار کا عطف اللیل پر ہے۔ واؤ عاطفہ حرف جر کے قائم مقام ہو جاتا ہے جب وہ معطوف علیہ کے ساتھ متصل ہو خصوصاً اسم ظاہر میں۔ رات کے وقت نیند کو موت پر دلیل بنایا اور دن کے وقت تصرف کو بعث پر دلیل بنایا۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ یہاں سماع سے مراد تفہیم اور تدبر کا سماع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حق سنتے ہیں اور اس کی اتباع کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ وعظ کو سنتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قرآن سنتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ معنی قریب قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان سب سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جب قرآن پڑھا جاتا اور وہ حاضر ہوتے تو وہ اپنے کانوں کو بند کر لیتے یہاں

1۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 1، صفحہ 464 2۔ ایضاً

تک کہ وہ اسے نہ سنتے، اللہ تعالیٰ نے ان دلائل کو ان پر واضح کیا۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے أن یریکم، أن کو حذف کر دیا گیا کیونکہ کلام اس پر دلالت کرتی ہے۔ طرفہ نے کہا:

أَلَا أَيُّهٰذَا اللَّائِمِي أَحْضُرُ الوَغَى وأن أَشْهَدَ اللَّذَّاتِ هل أنت مُخْلِدِي (1)

اے مجھے ملامت کرنے والے کہ میں جنگ میں حاضر ہوتا ہوں اور لذات میں حاضر ہوتا ہوں کیا تو مجھے ہمیشہ کی زندگی عطا کر سکتا ہے؟

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے یریکم البرق من آیاته وہ اپنی آیات میں سے تمہیں بجلی دکھاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے ومن آیاته آیة یریکم بها البرق اس کی آیات میں سے ایسی آیت ہے جو تمہیں بجلی دکھاتی ہے۔ جس طرح شاعر نے کہا:

وما الدّهر إلّا تارتان فمنهما أموتُ و أُخْرَى أبتغي العيش أكْدَحُ (2)

زمانہ نہیں مگر دو باریاں ان میں ایک میں مرتا ہوں اور دوسری باری میں زندگی کے لیے تگ و دو کرتا ہوں۔ شعر میں بھی تقدیم و تاخیر ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی آیات میں سے ہے وہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے اپنی آیات سے ڈرانے اور طمع دلانے کے لیے؛ یہ زجاج کا قول ہے، پس جملہ کا عطف جملہ پر ہے۔ خَوْفًا مسافر کو خوف دلانے وَّ طَمَعًا اور مقیم کو امید دلانے کے لیے؛ یہ قتادہ کا قول ہے (3)۔ ضحاک نے کہا: کڑک سے خوف اور بارش میں طمع دلانے کے لیے۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: سردی سے خوف کہ کہیں کھیتی ہلاک ہی نہ ہو جائے (4)۔ وَّ طَمَعًا اور بارش میں طمع کے لیے کہ وہ کھیتی کو زندہ کرے۔ ابن بحر نے کہا: خوف اس چیز کا کہ بجلی ایسی بجلی نہ ہو جو نظروں کو اچک ہی نہ لے اور بارش نہ برسائے اور بارش برسانے کی طمع (5)۔ شاعر کا شعر پڑھا:

لا يكن برقُك برقًا خُلَّبا إنّ خير البرق ما الغيث معه (6)

تیری بجلی برق خلب نہ ہو بہترین بجلی وہ ہوتی ہے جس کے ساتھ بارش بھی ہو۔

ایک اور شاعر نے کہا:

فقد أرِدُ المياهَ بغير زاد سوى عدّي لها برق الغمام

برق خلب اسے کہتے ہیں جس میں بارش نہیں ہوتی گویا وہ دھوکہ کرنے والی ہوتی ہے اسی معنی میں اسے کہا جاتا ہے جو وعدہ کرے اور اسے پورا نہ کرے: إنما أنت كبرق خلب۔ خلب ایسے بادل کو بھی کہتے ہیں جس میں بارش نہ ہو۔ یوں بھی کہا جاتا ہے: برق خلب یعنی مضاف الیہ کی صورت میں۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 333 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 334
3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 307 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً 6۔ ایضاً

وَ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيِ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ اس کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ان محل رفع میں ہے جس طرح یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ آسمانوں کا قیام اور ان کا ٹھہراؤ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ بغیر ستونوں کے ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس کی تدبیر اور اس کی حکمت کے ساتھ، یعنی اللہ تعالیٰ مخلوق کے منافع کے لیے بغیر ستونوں کے انہیں روکے ہوئے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مخلوق کے منافع کے لیے بغیر ستونوں کے روکے ہوئے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بامرہ سے مراد باذنہ ہے معنی ایک ہی ہے۔

ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ وہ ذات جس نے یہ اشیاء بنائیں وہ اس پر قادر ہے کہ وہ تمہیں تمہاری قبروں سے اٹھائے۔ مراد یہ ہے اس کا وجود تیزی سے ہوتا ہے اس میں کسی قسم کا توقف اور ٹھہراؤ نہیں ہوتا جس طرح اس بلانے والے کو بلایا جانے والا جواب دیتا ہے جس کی اطاعت کی جاتی ہو، جس طرح کسی قائل نے کہا:

دَعَوْتُ كُلَيبا باسمه فكأنما دَعَوْتُ برأس الطَّوْد أو هو أسرع

میں نے کلیب کو اس کے نام سے بلایا گویا میں نے صدائے بازگشت کو دعوت دی یا اس سے بھی وہ تیز تھا۔

راس الطود سے مراد وہ صدائے بازگشت لیتا ہے یا وہ پتھر جو لڑھکتا ہے۔ اس کا عطف السموات اور الارض پر ثم سے کیا کیونکہ اس امر سے جو وقوع پذیر ہوگا وہ بہت ہی عظیم ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا ایسی چیزوں پر قادر ہونا یہ بھی اس کی عظمت پر دلیل ہے۔ وہ یہ فرمائے گا: یا اهل القبور قوموا اے قبر والو! اٹھ کھڑے ہو۔ تو اولین و آخرین میں سے کوئی روح نہ ہوگی مگر وہ دیکھنے لگے گی، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ (الزمر)

پہلا اذا جو اِذَا دَعَاكُمْ میں ہے شرط کے لیے ہے اور دوسرا اذا جو اِذَآ اَنْتُمْ میں ہے مفاجات کے لیے ہے۔ یہ اس فاء کے قائم مقام ہے جو جواب شرط میں ہوتی ہے قراء کا یہاں تاء کے فتحہ میں جو تخرجون میں ہے سب کا اتفاق ہے سورۂ اعراف میں جو تاء ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے اہل مدینہ نے اسے ومنها تخرجون تاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اہل عراق نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابوعبید اسی کی طرف میلان رکھتے ہیں دونوں معنی قریب قریب ہیں مگر اہل مدینہ نے سیاق کلام کی وجہ سے دونوں میں فرق کیا ہے۔ سورۂ اعراف میں سیاق کلام ضمہ کے زیادہ مشابہ ہے، یعنی جب وہ تمہیں دعوت دے گا تو تم نکل پڑو گے یعنی تم اطاعت کرو گے تو فعل ان کے مناسب ہے۔ یہ نکلنا اس وقت ہوگا جب حضرت اسرافیل دوسرا نفخہ پھونکیں گے جس طرح پہلے گزرا اور بعد میں آئے گا۔ اسے تخرجون تاء کے ضمہ اور اس کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، زمخشری نے اسے ذکر کیا اور اس پر کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا اور جو ہم نے فرق بیان کیا ہے اس کا ذکر بھی نہیں کیا؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ، خلق، ملک اور بندہ ہونے کے اعتبار سے آسمان و زمین اسی کے ہیں۔

كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: كل قنوت في القرآن فهو طاعة قرآن حکیم میں جہاں بھی قنوت کا لفظ ہے اس سے مراد طاعت ہے۔ حسن نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت کرتے ہیں۔ ایک قول

یہ کیا گیا ہے: قٰنِتُوْنَ وہ عبودیت کا اقرار کرتے ہیں خواہ وہ قولاً ہو یا دلالۃً ہو؛ یہ قول عکرمہ، ابو مالک اور سدی کا ہے (1)۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قانتون کا معنی ہے اس کی نماز پڑھتے ہیں (2)۔ ربیع بن انس نے کہا: اس کا معنی ہے قیامت کے روز اس کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گے (3)، جس طرح فرمایا: يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (المطففین) اس روز لوگ حساب کے لیے کھڑے ہوں گے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: سب یہ گواہی دیں گے کہ وہ ہر ایک اس کا بندہ ہے (4)۔ سعید بن جبیر نے کہا: قٰنِتُوْنَ کا معنی ہے وہ مخلص ہوں گے (5)۔

وَ هُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَ لَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

''اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ آسان تر ہے اس کے لیے اور اسی کے لیے برتر شان ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی سب پر غالب حکمت والا ہے''۔

وَ هُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ پیدائش کا آغاز کرنے سے مراد رحم میں اس کی ولادت سے قبل نطفہ کو رحم کے ساتھ چسپاں کرنا ہے، جہاں تک اس کے اعادہ کا تعلق ہے تو موت کے بعد بعث کے لیے دوسرے نفخہ کے ساتھ اسے زندہ کرنا ہے انسان کی پیدائش کا آغاز جو معلوم ہے اسے اس کے اعادہ پر دلیل بنایا ہے جو مخفی ہے یہ غائب کا شاہد پر استدلال کرنا ہے۔ پھر اسے اپنے اس ارشاد کے ساتھ موکد کیا: وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم یبدی الخلق کو اُبدء یبدئ سے قراءت کی ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَ يُعِيْدُ ۝ (البروج) عام قراءت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝ (الاعراف) ھون، ھین کے معنی میں ہے یعنی دوبارہ زندہ کرنا اس پر آسان ہے؛ یہ ربیع بن خثیم اور حضرت حسن بصری کا قول ہے (6)۔ ھون یہ ھیّن کے معنی میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی بھی چیز کسی شے کے مقابلہ میں آسان نہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا: جس نے اھون کی تعبیر یہ کی کہ ایک شے دوسری شے پر فضیلت رکھتی ہے اس کا قول اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ مردود ہے۔ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ (النساء) اور اس فرمان کے ساتھ مردود ہے۔ وَ لَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا (البقرہ: 255) عرب افعل کے صیغہ کو فاعل پر محمول کرتے ہیں۔ اسی معنی میں فرزدق کا قول ہے:

إن الذی سَمَكَ السماء بنی لنا بیتًا دعائمه أعز وأطول

وہ ذات جس نے آسمان بنایا اس نے ہمارے لیے ایسا گھر بنایا جس کے ستون مضبوط اور طویل ہیں۔

اس شعر میں أعز اور اطول، عزیزۃ طویلۃ کے معنی میں ہیں۔ ایک اور شاعر نے کہا:

لَعَمْرُكَ ما أدری وإنی لأوجل علی أینا تَعْدُو المنیة أول

تیری زندگی کی قسم! میں نہیں جانتا جب کہ میں ڈر رہا ہوں کہ ہم میں سے کس پر پہلے موت آجائے گی۔ شعر میں اوجل سے مراد وجل ہے۔ ابو عبیدہ نے یہ شعر پڑھا:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 309 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً 6۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 310

اِنی لَأمنحك الصدود و اِنّنی   قسمًا الیك مع الصدود لأمیلُ

میں تجھے بے توجہی دوں گا تیری قسم! میں اس بے توجہی کے باوجود مائل ہوں۔

اس شعر میں بھی أمیل، مائل کے معنی میں ہوگا۔

احمد بن یحییٰ نے یہ شعر پڑھا:

تمنّی رجال أن أموت وإن أمتْ   فتلك سبیلٌ لست فیها بأوْحَدِ

لوگ میری موت کی آرزو کرتے ہیں اگر میں مر گیا تو وہ ایسا راستہ ہے جس میں میں تنہا نہیں۔

اس شعر میں بھی اوحد، واحد کے معنی میں ہے۔ ایک اور شاعر نے کہا:

لعمرك إن الزبرقان لباذل   لمعروفه عند السنین وأفضل

تیری زندگی کی قسم! زبرقان مال خرچ کرنے والا ہے اس کی نیکی کئی سالوں تک فضیلت رکھتی ہے۔

یہاں بھی افضل، فاضل کے معنی میں ہے۔ اس کے معنی میں ان کا قول ہے: الله اکبر اس کا معنی ہے الله کبیر۔ معمر نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے حضرت عبدالله بن مسعود کی قراءت میں ہے: وھو علیه ھین مجاہد، عکرمہ اور ضحاک نے کہا: معنی ہے الله تعالیٰ پر دوبارہ زندہ کرنا پہلی دفعہ پیدا کرنے سے آسان ہے(1)۔ اگرچہ سب امور الله تعالیٰ پر آسان ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ یہ ضرب المثل ہے جو الله تعالیٰ نے بندوں کے لیے بیان فرمائی ہے(2)۔ ارشاد فرمایا: مخلوقات پر شے کو لوٹانا اس کی ابتدا سے آسان ہوتا ہے تو چاہیے کہ جو تمہارے نزدیک اور تمہارے درمیان شروع کرنے پر قادر ہے اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا پہلی دفعہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: علیه میں ضمیر مخلوقین کے لیے ہو، یعنی مخلوق پر آسان ہو۔ ان پر ایک چیخ ماری جائے گی وہ اٹھ کھڑے ہوں گے اور انہیں کہا جائے گا: ہو جاؤ تو وہ ہو جائیں گے یہ ان پر آسان ہو جائے گا کہ وہ نطفہ ہوں، جما ہوا خون ہوں پھر مضغہ ہوں پھر جنین ہوں پھر طفل ہوں پھر غلام ہوں پھر جوان ہوں پھر مرد و عورت ہوں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قطرب نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اھون کا معنی ہے زیادہ آسان۔

ربیع بن خثیم نے کہا: وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ سے مراد ہے الله تعالیٰ پر کوئی چیز غالب نہیں۔ عکرمہ نے کہا: کفار نے مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے بارے میں تعجب کا اظہار کیا تو یہ آیت نازل ہوئی: وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى الله تعالیٰ نے جو بھی ارادہ کیا وہ ہو گیا۔ خلیل نے کہا: مثل سے مراد صفت ہے، یعنی اس کی اعلیٰ شان ہے۔ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جس طرح فرمایا: مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ (الرعد: 35) یہاں مثل سے مراد صفت ہے۔ اس بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ مجاہد سے مروی ہے: اَلْمَثَلُ الْاَعْلٰى سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا قول ہے۔ اس کا معنی ہے جس کے لیے اعلیٰ وصف ہے وہ ارفع ہے جس کی صفت وحدانیت ہے۔ قتادہ نے بھی اسی طرح کہا: مثل اعلیٰ یہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت ہے۔ اس کی تائید الله تعالیٰ کا یہ

1۔ تفسیر طبری، جز 21-22، صفحہ 43
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 310

فرمان کرتا ہے: ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (الروم: 28) جس کی وضاحت ہم ابھی کریں گے ان شاء اللہ۔ زجاج نے کہا: وَ لَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مثال بیان کی ہر ایسی چیز میں جو مشکل ہے اور آسان ہے؛ وہ پہلی تفسیر کا ارادہ کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کی مثل کوئی بھی نہیں (1)۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اس بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۲۸

''اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے تمہارے لیے ایک مثال تمہارے ہی حالات میں سے (یہ بتاؤ) کیا تمہارے غلام تمہارے حصہ دار ہوتے ہیں اس مال میں جو ہم نے تم کو عطا فرمایا ہے یوں کہ تم (اور وہ) اس میں برابر کے حصہ دار بن جاؤ حتی کہ تم ڈرنے لگو ان سے جیسے تم ڈرتے ہو آپس میں ایک دوسرے سے، یوں ہم کھول کر بیان کرتے ہیں (اپنی) نشانیاں اس قوم کے لیے جو عقل مند ہے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ فرمایا: مِّنْ اَنْفُسِكُمْ پھر فرمایا: مِّنْ شُرَكَآءَ پھر فرمایا: مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ پہلا من ابتدائیہ ہے گویا فرمایا: اس نے مثال اخذ کی اور تمہارے جو سب سے زیادہ قریبی شے ہے اس سے مثال کو اخذ کیا وہ تمہاری ذاتیں ہیں۔ دوسرا من تبعیض کے لیے ہے، تیسرا من زائدہ ہے استفہام کی تاکید کے لیے ہے۔ آیت قریش کے کفار کے لیے نازل ہوئی۔ وہ تلبیہ میں کہا کرتے تھے لبیك لا شریك لك إلا شریكا هو لك تملكه و ما ملك؛ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ ایسی ضرب المثل ہے جو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے لیے بیان فرمائی ہے۔ معنی ہے کیا تم میں سے کوئی راضی ہے کہ اس کا مملوک اس کے مال اور نفس میں اس کی مثل ہو جب تم خود اس بات پر اپنے لیے راضی نہیں ہو تو تم نے اللہ تعالیٰ کے لیے کیسے شریک بنا لیے؟

مسئلہ نمبر 2۔ بعض علماء نے کہا: یہ آیت مخلوق میں شرکت میں اصل ہے کیونکہ وہ ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور احتیاج کی اللہ تعالیٰ سے نفی میں اصل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ تو ضروری ہے کہ وہ کہیں: تو نے جو ہمیں رزق دیا ہے ہمارے غلام ہمارے شریک نہیں۔ انہیں کہا جاتا: تو یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ تم اپنے آپ کو اپنے غلاموں کی مشارکت سے پاک ہونے کا کہتے ہو اور میرے بندوں کو میری مخلوق میں میرا شریک بنا دیتے ہو۔ یہ حکم فاسد ہے، قلت نظر کا باعث ہے اور دل کے اندھا ہونے پر دال ہے۔ جس کے سردار مالک ہیں جب کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں تو یہ امر باطل ہو گیا کہ عالم میں کوئی ایسی چیز بھی ہو

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 310

جو اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے کسی چیز میں شریک ہو۔ جب وہ ایک ہی باقی ہے تو یہ محال ہو گیا کہ اس کا کوئی شریک ہو کیونکہ شرکت معاونت کا تقاضا کرتی ہے جب کہ ہم ایک دوسرے کے مال اور عمل میں معاونت کے محتاج ہیں قدیم ازلی یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے منزہ ہے۔

یہ ایک مسئلہ طالب کے لیے اس چیز سے افضل ہے کہ وہ فقہ کا ایک پورا دیوان یاد کرے کیونکہ تمام عبادات بدنیہ درست نہیں ہوتیں مگر اسی صورت میں جب اس مسئلہ کو دل میں ثبت کیا جائے، اسی نقطہ کو یاد کر لو۔

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝

"بلکہ پیروی کرتے رہے ظالم اپنی (نفسانی) خواہشات کی بغیر کسی دلیل کے۔ پس کون ہدایت دے سکتا ہے جسے (پیہم نافرمانی کے باعث) اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اور ان لوگوں کا کوئی مددگار نہیں"۔

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ جب حجت ان پر قائم ہو گئی تو یہ ذکر کیا کہ وہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ ان کی عبادت میں اپنی خواہشات کی اتباع کرتے ہیں اور اس میں اسلاف کی تقلید کرتے ہیں فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ جس کو گمراہ کر دے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں، اس آیت میں قدریہ کا رد ہے۔ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ان کا کوئی مددگار نہیں۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

"پس آپ کریں اپنا رخ دین (اسلام) کی طرف پوری یکسوئی سے (مضبوطی سے پکڑ لو) اللہ کے دین کو جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے، کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا اللہ کی تخلیق میں، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ زجاج نے کہا: فطرۃ یہ منصوب ہے معنی ہے اتبع فطرۃ اللہ۔ کہا: کیونکہ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ کا معنی ہے دین حنیف کی اتباع کرو اور اللہ تعالیٰ کی فطرت کی اتباع کرو۔ طبری نے کہا: فطرۃ اللہ مفعول مطلق ہے (1)۔ فَاَقِمْ وَجْهَكَ کے معنی میں ہے، کیونکہ اس کا معنی ہے: فطر اللہ الناس علی ذلک فطرۃ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس کا معنی ہے اس اللہ کے دین کی اتباع کرو جس نے لوگوں کو اپنے لیے پیدا کیا، اس قول کی بناء پر وقف حنیفا پر تام ہے۔ پہلے دو قولوں کی بنا پر یہ متصل ہو گا۔ حنیفا پر وقف نہیں ہو گا۔ فطرۃ کو دین کا نام دیا کیونکہ لوگوں کو اس کے لیے پیدا کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان

1۔ تفسیر طبری، جز 21-22، صفحہ 49

ہے: وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۝ (الذاریات) یہ کہا جاتا ہے: علیھا، لھا کے معنی میں ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا (الاسراء: 7) فَاَقِمْ وَجْهَكَ کے ساتھ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ دین مستقیم کے لیے اپنے رخ کو سیدھا کرنے کا حکم ہے۔ جس طرح فرمایا: فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ الْقَیِّمِ (الروم: 43) اس سے مراد دین اسلام ہے۔ اقامۃ الوجہ سے مراد مقصد اور قوت کو اعمال دین میں تگ و دو کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ وجہ کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ یہ انسان کے حواس کو جامع ہے اور انسان کا اشرف حصہ ہے۔ اہل تاویل کا اتفاق ہے کہ اس خطاب میں امت بھی داخل ہے۔ حنیفا کا معنی ہے اعتدال پر ان تمام تحریف شدہ اور منسوخ ادیان سے اعراض کرتے ہوئے۔

مسئلہ نمبر 2۔ صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر بچے کو فطرت پر پیدا کیا گیا'' (1)۔ ایک روایت میں ہے: ''اس ملت پر پیدا کیا گیا اس کے والدین اسے یہودی بناتے ہیں، اسے نصرانی بناتے ہیں اور اسے مجوسی بناتے ہیں جس طرح چوپایہ ایک مکمل چوپایہ جنم دیتا ہے کیا تم اس میں کوئی چیز کٹی ہوئی پاتے ہو''۔

پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے: چاہو تو یہ آیت پڑھو فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ۔

ایک روایت میں ہے: ''یہاں تک کہ تم اسے کاٹتے ہو'' صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں بتائیے جو چھوٹی عمر میں فوت ہو جاتا ہے؟ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں خوب جانتا ہے جو وہ عمل کرنے والے تھے''۔ الفاظ مسلم کے ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ علماء نے اس فطرت کے معنی میں اختلاف کیا ہے جو کتاب و سنت میں مذکور ہے اس میں علماء کے متعدد اقوال ہیں: (۱) اس سے مراد اسلام ہے؛ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابن شہاب اور اس کے علاوہ دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ ان علماء نے کہا: علماء تاویل میں سے عام سلف صالحین کا یہی نقطہ نظر ہے۔ انہوں نے آیت اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے اور حضرت عیاض بن حمار مجاشعی کی حدیث اس کی تائید کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز لوگوں سے کہا: ''کیا میں تمہیں بیان نہ کروں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مجھے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کو حنیف پیدا کیا۔ انہیں ایسا مال عطا کیا جو حلال تھا اس میں کوئی حرام نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو مال عطا کیا اس کو انہوں نے حلال و حرام بنا دیا''۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے استدلال کیا ہے: ''پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں'' (2)۔ ان پانچ چیزوں میں مونچھیں کاٹنا شمار کیا، یہ اسلام کے طریقوں میں سے ہے، اس تاویل کی بنا پر حدیث کا معنی ہو گا: اللہ تعالیٰ نے بچے کو کفر سے پاک اس میثاق پر پیدا کیا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت سے لیا جب انہیں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے لیا، جب وہ بالغ ہونے سے پہلے مر جائیں تو وہ جنت میں ہوں گے؛ وہ مسلمانوں کی اولاد ہوں یا کفار کی اولاد ہوں۔

دوسرے علماء نے کہا: فطرت سے مراد وہ آغاز ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کا آغاز کیا یعنی جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں

1۔ صحیح مسلم، کل مولود یولد علی الفطرۃ، جلد 2، صفحہ 336
2۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، جلد 2،

تخلیق فرمایا یعنی انہیں زندگی، موت، سعادت اور شقاوت کے لیے پیدا کیا اور بالغ ہونے کے بعد جس کی طرف وہ لوٹیں گے۔ علماء نے کہا: کلام عرب میں فطرت سے مراد شروع کرنا ہے اور فاطر سے مراد شروع کرنے والا ہے۔ انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا: میں نہیں جانتا کہ فاطر السموات والارض سے کیا مراد ہے یہاں تک کہ دو بدو ایک کنویں کے بارے جھگڑتے ہوئے میرے پاس آئے، ایک نے کہا: میں نے اس کے کھودنے کی ابتدا کی۔ مروزی نے کہا: حضرت امام احمد بن حنبل اس قول کی طرف جاتے تھے پھر اس کو ترک کیا۔ ابو عمر نے اپنی کتاب ''التمہید'' میں کہا امام مالک نے اپنے موطا میں کہا: اسلوب ہے آپ نے باب القدر میں کچھ آثار نقل کیے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ان کا اس میں یہ مذہب تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ انہوں نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جو کعب قرظی سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مروی ہے: فَرِيْقًا هَدٰى وَ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ (الاعراف: 30) کہا: اللہ تعالیٰ نے جس مخلوق کو گمراہی کے لیے پیدا کیا تو اسے گمراہی کی طرف لوٹا دے گا اگرچہ وہ ہدایت کے اعمال کرے اور اللہ تعالیٰ نے جس مخلوق کو ہدایت کے لیے پیدا کیا ہے اسے ہدایت کی طرف پھیر دے گا اگرچہ وہ گمراہی کے کام کرے اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی تخلیق گمراہی پر کی اس نے فرشتوں کے ساتھ سعادت کے اعمال کیے پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی طرف لوٹا دیا جس کے لیے اسے پیدا کیا تھا۔ فرمایا: کان من الکافرین۔

میں کہتا ہوں: سورۃ الاعراف میں کعب کا قول گزر چکا ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع حدیث سے اس کی ہم معنی روایت آئی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انصار کے ایک بچے کی نماز جنازہ کی دعوت دی گئی، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اسے مبارک ہو یہ تو جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑی ہے، اس نے برا عمل نہیں کیا اور نہ اس حد تک پہنچا(1)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عائشہ! کیا اس کے علاوہ بھی کچھ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جنت کے اہل کو پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا جب کہ وہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے اور جہنم کے اہل کو پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا جب کہ وہ آباء کی پشتوں میں تھے''۔ ابن عامر نے اسے سنن میں نقل کیا ہے۔ ابو عیسیٰ ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت نقل کی ہے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے جب کہ آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو یہ دونوں کتابیں کیا ہیں؟'' ہم نے عرض کی: نہیں یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم مگر یہ کہ آپ ہمیں خبر دیں، وہ کتاب جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی اس کے بارے میں فرمایا: ''یہ رب العالمین کی جانب سے کتاب ہے اس میں جنتیوں کے نام ہیں، ان کے آباء کے نام ہیں اور ان کے قبائل کے نام ہیں پھر آخر تک ان کا اجمالی ذکر کیا۔ ان میں نہ اضافہ ہوگا اور نہ ان میں کمی ہوگی''(2)۔ حدیث کا ذکر کیا۔ اس کے بارے میں فرمایا: حدیث حسن ہے۔ ایک فرقہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: کل مولد یولد علی الفطرۃ سے عموم مراد نہیں۔ الناس سے مراد مومن ہیں اگر تمام لوگوں کا اسلام پر

1۔ صحیح مسلم، باب فی معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ، جلد 2، صفحہ 337

2۔ جامع ترمذی، ابواب القدر، جلد 2، صفحہ 36۔ ایضاً حدیث نمبر 2067، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

پیدا کیا جاتا تو کوئی بھی کفر نہ کرتا۔ یہ ثابت ہے کہ اس نے کچھ لوگوں کو آگ کے لیے پیدا کیا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ (الاعراف: 179) اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی صلب سے ذریت کو سیاہ اور سفید نکالا۔ اس بچے کے بارے میں فرمایا جسے حضرت خضر نے قتل کیا: ''جس روز اسے پیدا کیا گیا کافر ہی پیدا کیا گیا''۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی جب کہ دن بلند تھا۔ اس میں ہے ہم نے اس میں سے جو یاد رکھا وہ یہ ہے کہ فرمایا: ''خبردار! بنی آدم کو مختلف طبقات میں پیدا کیا گیا ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کو مومن کی حیثیت سے پیدا کیا جاتا ہے، وہ مومن کی حیثیت سے زندہ رہتا ہے اور مومن کی حیثیت سے مرتا ہے ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جن کو کافر کی حیثیت سے پیدا کیا جاتا ہے، کافر کی حیثیت سے زندہ رکھا جاتا اور کافر کی حیثیت سے مرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کو مومن کی حیثیت سے پیدا کیا جاتا ہے وہ مومن کی حیثیت سے زندہ رہتے ہیں اور کافر کی حیثیت سے مرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو کافر کی حیثیت سے زندہ رہتے ہیں اور مومن کی حیثیت سے مرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اچھی قضا اور اچھی طلب والے ہوتے ہیں'' (1)۔

حماد بن زید بن سلمہ نے مسند طیالسی میں اسے ذکر کیا ہے۔ علی بن زید، ابونضرہ سے وہ حضرت ابو سعید خدری سے روایت نقل کرتے ہیں انہوں نے کہا: عربوں کی زبان میں عموم خصوص کا معنی اکثر استعمال ہوتا ہے۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف نہیں دیکھتے: تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۭ (الاحقاف: 25) جب کہ اس نے آسمان اور زمین کو ہلاک نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ (الانعام: 44) ان پر رحمت کے دروازے نہیں کھولے گا۔ اسحاق بن راہویہ حنظلی نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرمان اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا (یونس: 105) یہ کلام مکمل ہو جاتی ہے، پھر فرمایا: فِطْرَتَ اللّٰهِ تقدیر کلام یہ ہے فطر اللہ الخلق فطرۃ اما بجنۃ او نار اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا یا تو جنت کے لیے یا جہنم کے لیے۔ اسی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اشارہ کرتا ہے: کل مولود یولد علی الفطرۃ اسی وجہ سے فرمایا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ہمارے شیخ ابو العباس رضی اللہ عنہ نے کہا: جس نے کہا: اس سے مراد سعادت اور شقاوت کا پہلے سے ہونا ہے تو یہ اسی فطرت کے مناسب ہے جو قرآن میں مذکور ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ جہاں تک حدیث میں اس لفظ کا تعلق ہے تو وہ نہیں؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی ماندہ حدیث میں خبر دی کہ اس میں تغیر و تبدل ہو جاتا ہے۔

اہل فقہ اور اہل نظر میں سے ایک طائفہ نے کہا: فطرت سے مراد وہ خلقت ہے جس پر بچے کو پیدا کیا گیا کہ وہ اپنے رب کو پہچانے، گویا فرمایا: یہ بچے کو ایسی خلقت پر پیدا کیا گیا جس کی مدد سے وہ اپنے رب کی پہچان کر سکتا ہے جب وہ معرفت کی حد تک پہنچتا ہے مراد ایسی خلقت ہے جو بہائم کی خلقت سے مختلف ہے جو جانور اپنی خلقت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی معرفت تک نہیں پہنچتے۔ انہوں نے یہ استدلال کیا کہ فطرت سے مراد خلقت ہے۔ فاطر سے مراد خالق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (فاطر: 1) مراد ان کا خالق ہے، اسی طرح یہ ارشاد ہے: وَ مَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ

1۔ جامع ترمذی، ابواب الفتن، جلد 2، صفحہ 42

الَّذِیْ فَطَرَنِیْ (یٰسین:22) یہاں بھی فطرنی، خلقنی کے معنی میں ہے یعنی جس نے مجھے پیدا کیا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ (الانبیاء:56) جس نے انہیں پیدا کیا۔ علماء نے کہا: فطرۃ سے مراد خلقت ہے، فاطر کا معنی خالق ہے۔ انہوں نے اس چیز سے انکار کیا ہے کہ بچے کو کفر، ایمان، معرفت یا انکار پر پیدا کیا جائے۔ انہوں نے کہا: بچہ عموماً خلقت، طبع اور ڈھانچہ کے اعتبار سے سلامتی پر ہوتا ہے اس کے ساتھ ایمان، کفر، انکار اور معرفت نہیں ہوتی جب بالغ ہونے کے بعد وہ امتیاز کے قابل ہوتے ہیں تو وہ کفر و ایمان کا اعتقاد اپناتے ہیں۔ انہوں نے حدیث میں اس ارشاد سے استدلال کیا ہے: كما تنتج البهيمة بهيمة جمعاء یعنی سالمة هل تحسون فيها من جدعاء جس طرح ایک جانور کامل بچہ جنم دیتا ہے کیا تم اس میں کسی چیز کو کٹا ہوا محسوس کرتے ہو، یعنی کیا تم اس کو کان کٹا دیکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے دلوں کو چوپاؤں سے تشبیہ دی کیونکہ وہ کامل بچے کو جنم دیتے ہیں اس میں کوئی نقص نہیں ہوتا۔ اس کے بعد ان کے کان اور ناک کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ اور انہیں یہ نام دیئے جاتے ہیں: بحائر، سوائب۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اسی طرح بچوں کے دل میں جب وہ جنم لیتے ہیں تو ان کے لیے کفر ہوتا ہے اور نہ ہی ایمان، معرفت ہوتی ہے اور نہ ہی انکار جس طرح چرنے والے چوپائے، جب بالغ ہوتے ہیں تو شیاطین انہیں حیران اور مبہوت کر دیتے ہیں تو ان میں سے اکثر کافر ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان میں سے کم افراد کو محفوظ و مامون رکھتا ہے۔ انہوں نے کہا: اگر بچے ابتدا سے ہی کفر و ایمان میں سے کسی چیز پر پیدا کیے جاتے تو وہ اس سے کبھی بھی منتقل نہ ہوتے، جب کہ ہم انہیں پاتے ہیں کہ وہ ایمان والے ہوتے ہیں پھر وہ کفر کرتے ہیں عقلی دلیل کے اعتبار سے یہ محال ہے کہ بچہ ولادت کے وقت کفر و ایمان کی سمجھ رکھتا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے حال میں پیدا کیا ہے کہ وہ اس وقت کچھ بھی نہیں سمجھتے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا (النحل:78) جب وہ کسی بھی چیز کو کچھ نہ جانتا تو اس سے کفر و ایمان، معرفت و انکار محال ہے۔

ابو عمر عبد البر نے کہا: فطرت کا معنی جس پر بچے کو پیدا کیا جاتا ہے۔ ان میں سے یہ صحیح ترین قول ہے۔ اس بارے میں دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے: اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ (الطور) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ۝ (المدثر) جو عمل کے وقت تک نہ پہنچا وہ کسی چیز کا ذمہ دار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۝ (الاسراء) جب علماء نے اس پر اتفاق کیا تو دنیا میں حدود و قصاص اور گناہ ان سے اٹھا دیئے گئے ہیں تو آخرت میں تو بدرجہ اولیٰ ان کے لیے ایسا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

یہ محال ہے کہ فطرت مذکورہ سے مراد اسلام ہو جس طرح ابن شہاب نے کہا، کیونکہ اسلام اور ایمان زبان سے قول، دل کا اعتقاد اور اعضاء کے ساتھ عمل ہے بچے سے یہ معدوم ہے عقل مند آدمی اس سے جاہل نہیں، جہاں تک اوزاعی کا قول ہے: میں نے زہری سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا جس کے ذمہ ایک غلام کو آزاد کرنا لازم ہو گیا اس کی جانب سے بچہ کافی ہو گا کہ اسے آزاد کر دے جب کہ وہ ابھی دودھ پیتا ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں، کیونکہ وہ فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوا

اس کی آزادی اس کے نزدیک جائز ہے جو اس تعبیر کو جائز سمجھتا ہے کیونکہ اس کا حکم اس کے والدین کا حکم ہے۔ دوسرے علماء نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ انہوں نے کہا: اگر غلام آزاد کرنا واجب ہو تو اس میں ایسا غلام ہی آزاد کیا جا سکتا ہے جو روزہ رکھتا اور نماز پڑھتا ہو۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ۝ (الاعراف) اور حدیث طیبہ: ان یختم اللہ للعبد بما قضاہ لہ وحدہ علیہ میں کوئی ایسی دلیل نہیں کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو وہ مومن یا کافر کی حیثیت سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ عقول گواہ ہیں کہ اس وقت میں وہ ایمان وکفر کی سمجھ بوجھ نہیں رکھتا۔ وہ حدیث جس میں آیا ہے: ان الناس خلقوا علی طبقات یہ ان احادیث میں سے نہیں جس پر طعن نہ ہو کیونکہ علی بن زید بن جدعان اس کو روایت کرنے میں منفرد ہے۔ شعبہ پر اعتراض کیا جاتا ہے، ساتھ ہی ساتھ یولد مومنا میں یہ احتمال موجود ہے کہ مراد ہو اسے جنم دیا جاتا ہے تا کہ وہ مومن ہو، اسے جنم دیا جاتا ہے تا کہ وہ کافر ہو جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی سے علم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: خلقت هولاء للجنة و خلقت هولاء للنار میں اس سے بڑھ کر کچھ نہیں جس پر ان کا خاتمہ ہوگا اس کی ان کے بارے میں رعایت کی جائے گی؛ اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ اپنی طفولیت میں جنت یا جہنم کے مستحق ہیں یا وہ کفر وایمان کی سمجھ بوجھ رکھتے تھے۔

میں کہتا ہوں: ابو عمرو نے جو نقطہ نظر اختیار کیا ہے اور اس کے لیے دلیل پیش کی ہے کئی محققین اس کی طرف گئے ہیں، ان میں ابن عطیہ بھی ہے اور ہمارے شیخ ابو العباس بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: اس لفظ کی تفسیر میں جس چیز پر اعتماد کیا جا سکتا ہے کہ اس سے مراد خلقت اور وہ ہیئت ہے جو طفل کے نفس میں ہوتی ہے وہ نفس اس کے لیے تیار کیا جاتا ہے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی مصنوعات کو امتیاز دیا جا سکے، اس کے ذریعے اس کے رب ہونے پر استدلال کیا جا سکے، شرائع کو پہچانا جا سکے اور اس پر ایمان لایا جا سکے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنے چہرے کو اس دین کے لیے سیدھا کر لو جو دین حنیف ہے یہی اللہ تعالیٰ کی فطرت ہے لیکن اسے عوارض لاحق ہوتے رہتے ہیں اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: كل مولود يولد على الفطرة فابواه يهودانه او ينصرانه ہر بچے کو فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے اس کے والدین اسے یہودی بناتے ہیں یا نصرانی بناتے ہیں۔

ابوین کا ذکر یہ اس عوارض کی مثال ہے جو کثرت سے واقع ہوتے ہیں۔ ہمارے شیخ نے اپنی عبارت میں کہا: اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے دل بنائے جو قبول حق کی اہلیت رکھتے ہیں جس طرح ان کی آنکھیں اور کان بنائے جو دیکھی جانے والی اور سنی جانے والی چیزوں کو قبول کرتے ہیں جب تک وہ اس قبول اور اس اہلیت پر باقی رہتی ہے وہ حق اور دین اسلام کو پانے والی ہیں یہی دین حق ہے۔ اس معنی کی صحت پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے: كما تنتج البهيمة بهيمة جمعاء هل تحسون فيها من جدعاء یعنی چوپایہ اپنے بچے کو کامل اور آفات سے محفوظ پیدا کرتا ہے اگر اسے اس خلقت پر چھوڑا جاتا تو وہ کامل اور عیوب سے بری ہوتا لیکن اس میں تصرف کیا جاتا ہے اس کے کان کاٹ دیئے جاتے ہیں، اس کے چہرے پر نشان لگا دیا جاتا ہے اس پر آفات اور نقائص طاری ہوتے ہیں تو وہ اصل سے نکل جاتا ہے۔ اسی طرح انسان ہے یہ ایسی تشبیہ ہے جو واقع ہے

اور اس کی وجہ واضح ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ قول پہلے قول کے معنی میں موافق ہے اور یہ ادراک کے بعد ہے جب انہوں نے امور دنیا کو سمجھ لیا اور اللہ تعالیٰ کی حجت ان پر اس سے موکد ہو گئی جو واضح آیات ان پر قائم کی گئیں جیسے آسمانوں، زمین، سورج، چاند، خشکی، تری کی تخلیق اور رات اور دن کا اختلاف۔ جب ان میں ان کی خواہشات نے اپنا کردار ادا کیا شیاطین ان کے پاس آ گئے انہوں نے انہیں یہودیت اور نصرانیت کی طرف دعوت دی تو وہ ان کی خواہشات کو دائیں بائیں لے گئے۔ اگر وہ چھوٹی عمر میں مر جاتے تو وہ جنت میں ہوتے۔ مراد تمام بچے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو آپ کی پشت سے چھوٹی چیونٹیوں کی صورت میں باہر نکالا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا اقرار کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا (الاعراف: 172) جب وہ اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا اقرار کر چکے اور یہ اقرار کر چکے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر انہیں واپس ان کی پشتوں کی طرف لوٹا دیا، پھر ماں کے پیٹ میں اس کے شقی یا سعید ہوئے کے بارے میں لکھ دیا جاتا ہے جس طرح کتاب اول میں تھا۔ جو آدمی کتاب اول میں شقی تھا اسے زندگی گزارنے کا موقع دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس پر قلم جاری ہوتا ہے تو وہ شرک کر کے اس میثاق کو توڑ دیتا ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر اس سے لیا گیا۔ جو آدمی کتاب اول میں سعید تھا اسے مہلت دی جاتی ہے یہاں تک کہ اس پر قلم جاری ہوتا ہے تو وہ سعید ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کے بچوں میں سے جو فوت ہو جاتا ہے جب کہ اس پر قلم جاری ہو تو وہ اپنے آباء کے ساتھ جنت میں ہوتا ہے۔ جو مشرکوں کی اولاد میں سے ہوتا ہے اس پر قلم جاری ہونے سے پہلے ہی وہ مر جاتا ہے تو وہ اپنے آباء کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ کیونکہ وہ پہلے میثاق پر ہی فوت ہو گئے جو ان سے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر لیا گیا تھا اور میثاق کو توڑا نہ گیا۔ اہل تاویل کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے: یہ تمام احادیث میں تطبیق کرنے والی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکوں کی اولاد کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا: اللہ اعلم بما کانوا عاملین مراد ہے اگر وہ بالغ ہوتے۔ اس تاویل پر امام بخاری کی حدیث دلالت کرتی ہے جو آپ نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں حدیث طویل ہے جو حدیث رؤیاء ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: واما الرجل الطویل الذی فی الروضۃ فابراھیم علیہ السلام واما الولدان حولہ فکل مولود یولد علی الفطرۃ (1) وہ طویل آدمی جو روضہ میں ہوگا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے اور ان کے اردگرد بچے ہوں گے وہ بچے جنہیں فطرہ پر پیدا کیا گیا۔ عرض کی گیا: یا رسول اللہ! مشرکوں کی اولاد؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اور مشرکوں کی اولاد''۔ یہ ایسی نص ہے جو اختلاف کو ختم کر دیتی ہے۔ یہ وہ صحیح ترین چیز ہے جو باب میں روایت کی گئی ہے اس کے علاوہ احادیث میں علل ہیں۔ ائمہ احادیث فقہاء نہیں: یہ ابو عمر بن عبد البر کا قول ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے

1۔ الترغیب والترہیب، سورۂ روم، باب من تاخیر الصلوٰۃ عن وقتہا، جلد 1، صفحہ 388

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکوں کی اولاد کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا: ''ان کی نیکیاں نہیں کہ انہیں بدلہ دیا جائے تو وہ جنت کے بادشاہوں میں سے ہو جائیں۔ ان کی برائیاں نہیں کہ انہیں سزا دی جائے تو وہ جہنمیوں میں سے ہو جائیں وہ جنتیوں کے خادم ہیں'' (1)۔ یحییٰ بن سلام نے اسے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے، ہم نے کتاب ''التذکرۃ'' میں اس کی خوب وضاحت کی ہے۔ ہم نے موطا مالک بن انس کی شرح کتاب ''المقتبس'' میں اسے ذکر کیا ہے جسے ابو عمر نے ذکر کیا ہے۔ الحمد للہ

اسحاق بن راہویہ نے ذکر کیا یحییٰ بن آدم، جریر بن حازم سے وہ ابو رجا عطاردی سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں اس امت کا معاملہ ہمیشہ قریب قریب رہے گا یا ایسا کلمہ ذکر کیا جو ان کے مشابہ ہے یہاں تک کہ وہ اطفال اور تقدیر کے بارے میں کلام کریں گے یا غور و فکر کریں گے۔ یحییٰ بن آدم نے کہا: میں نے اس کا ذکر ابن مبارک سے کیا: فرمایا: کیا انسان جہالت پر خاموش رہ سکتا ہے؟ میں نے کہا: کیا آپ کلام کا حکم دیتے ہیں؟ کہا: وہ خاموش ہو گئے۔ ابوبکر وراق نے کہا: فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا اس سے مراد فقر و فاقہ ہے۔ یہ اچھی کلام ہے کیونکہ وہ ولادت سے لے کر موت تک محتاج ہوتا ہے، ہاں اور آخرت میں (بھی)۔

لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ یہ ایسی فطرت ہے خالق کی جانب سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، کسی صورت میں امر اس کے خلاف نہیں ہوتا۔ جس کو اس نے سعید پیدا کیا وہ بدبخت نہیں ہوگا اور جس کو شقی پیدا کیا وہ سعید نہیں ہوگا۔ مجاہد نے کہا: معنی ہے اللہ تعالیٰ کے دین میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی؛ یہ قتادہ، ابن جبیر، ضحاک، ابن زید اور نخعی کا قول ہے (2)۔ انہوں نے کہا: معتقدات میں یہی معنی ہے۔ عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے معنی ہے: چوپاؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کوئی تبدیلی درست نہیں کہ ان کے نروں کو خصی کر دیا جائے معنی ہے کہ حیوانوں میں سے خصی کرنے سے نہی ہے۔ یہ بحث سورۂ نساء میں گزر چکی ہے۔

ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وہ درست فیصلہ ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے (3)۔ مقاتل نے کہا: وہ واضح حساب ہے (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الدِّیْنُ الْقَیِّمُ سے مراد دین اسلام ہے، وہی دین قیم اور مستقیم ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ وہ غور و فکر نہیں کرتے کہ وہ یہ جان لیں کہ ان کا خالق و معبود ہے اور قدیمی الٰہ ہے اس کی قضا سبقت لے جا چکی ہے اور اس کا حکم نافذ ہو چکا ہے۔

مُنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۳۱﴾ مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾

''(اے غلامان مصطفیٰ! تم بھی اپنا رخ اسلام کی طرف کر لو) اور اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اور ڈرو اس سے اور قائم کرو نماز کو اور نہ ہو جاؤ (ان) مشرکوں میں سے جنہوں نے پارہ پارہ کر دیا اپنے دین کو اور خود گروہ

1۔ التذکرۃ فی احوال الموت، ما جاء فی اطفال المسلمین والمشرکین، جلد 2، صفحہ 681

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 312 3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 313 4۔ ایضاً

گروہ ہو گئے، ہر گروہ جو اس کے پاس ہے اسی پر خوش ہے"۔

مُنِیْبِیْنَ اِلَیْہِ اس کے معنی میں اختلاف کیا گیا ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: توبہ اور اخلاص کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ یحییٰ بن سلام اور فراء نے کہا: وہ اس کی طرف متوجہ ہونے والے ہیں۔ عبدالرحمن بن زید نے کہا: اس کی اطاعت کرنے والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: گناہوں سے توبہ کر کے اس کی طرف لوٹنے والے ہیں، اسی معنی میں ابوقیس بن اسلت کا قول ہے:

فإن تابوا فإن بني سليم وقومهم هوازن قد أنابوا(1)

اگر انہوں نے توبہ کی تو بنی سلیم اور ان کی قوم ہوازن نے توبہ کی۔

معنی ایک ہی ہے: کیونکہ نَابَ، تَابَ، ثَابَ اور آبَ سب کا معنی لوٹنا ہے۔ ماوردی نے کہا: انابہ کی اصل میں دو قول ہیں: (۱) اس کا معنی کاٹنا ہے، اسی سے ناب کا اسم ہے کیونکہ وہ کاٹنے والا ہوتا ہے، گویا انابہ سے مراد طاعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ہو رہنا (۲) اس کا معنی لوٹنا ہے، یہ نَابَ یَنُوْبُ سے ماخوذ ہے جب وہ یکے بعد دیگرے لوٹے، اسی سے نوبہ ہے کیونکہ اس سے مراد عادت کی طرف لوٹنا ہے۔ جوہری نے کہا: أَنَابَ إِلَى اللهِ کا معنی ہے أَقْبَلَ وتَابَ، نوبہ یہ نوب کا واحد ہے تو کہتا ہے: جاءت نوبتك ونابتك وهم يتناوبون النوبة فيما بينهم في الماء وغيره تیری باری آگئی وہ پانی وغیرہ میں باری کرتے ہیں یہ حال کی حیثیت میں منصوب ہے۔ محمد بن یزید نے کہا: فَاَقِمْ وَجْهَكَ کا معنی ہے اس کی طرف توجہ کرتے ہوئے تم اپنے چہروں کو سیدھا کرلو۔ فراء نے کہا: معنی ہے اپنے اور جو آپ کے ساتھ ہیں وہ توبہ کرتے ہوئے اپنے چہرے سیدھے کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ماقبل کلام سے قطع کرتے ہوئے اسے نصب دی ہے یعنی فاقم وجهك وأنت وامتك المنيبين اليه کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو امر ہے وہ آپ کی امت کے لیے امر ہے؛ یہ کتنا اچھا ہے مُنِیْبِیْنَ اِلَیْہِ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ (الطلاق: 1)

وَاتَّقُوْهُ اس سے ڈرو اور اس نے تمہیں جو حکم دیا ہے اس کی اطاعت کرو۔ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ اس امر کو واضح کیا کہ عبادت نفع نہیں دیتی مگر اخلاص کے ساتھ ہی نفع دیتی ہے اسی وجہ سے فرمایا: وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ یہ بحث سورۃ النساء اور الکہف وغیرہ میں مفصل گزر چکی ہے۔

مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ حضرت ابو ہریرہ، حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اہل قبلہ میں سے اہل الاہواء، اور اہل البدع ہیں۔ سورۃ الانعام میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

ربیع بن انس نے کہا: اَلَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ سے مراد یہود و نصاریٰ میں سے اہل کتاب ہیں؛ یہ قتادہ اور معمر کا قول ہے۔ حمزہ اور کسائی نے پڑھا فارقوا دینهم۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی بھی یہی قراءت ہے وہ دین جس کی اتباع ضروری تھی اس میں انہوں نے تفرقہ کیا۔ وہ توحید ہے۔ وَ كَانُوْا شِیَعًا وہ کئی گروہ تھے؛ یہ کلبی کا قول ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کئی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 313 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 314 3۔ ایضاً

دین تھے؛ یہ مقاتل کا قول ہے(1)۔ کُلُّ حِزۡبٍۭ بِمَا لَدَیۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ وہ خوش وخرم تھے کیونکہ انہوں نے حق کو نہ پہچانا جب کہ ان پر لازم تھا کہ وہ حق کو پہچانتے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ فرائض کے نازل ہونے سے پہلے کا مرحلہ تھا۔ تیرا قول ہے: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والا بعض اوقات اس کی نافرمانی سے خوش ہوتا ہے، یہی کیفیت شیطان اور ڈاکوؤں وغیرہ کی ہوتی ہے، اللہ بہتر جانتا ہے۔ فراء نے گمان کیا کہ کلام وَ لَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ پر مکمل ہو اور معنی ہو ان میں سے جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ کیا وہ کئی گروہ تھے۔ یہ جملہ مستانفہ ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ کلام ماقبل کے ساتھ متصل ہو۔ نحاس نے کہا: جب یہ کلام ماقبل کے ساتھ متصل ہو تو بصریوں کے نزدیک حرف کے اعادہ کے ساتھ بدل ہوگا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ لِلَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا لِمَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ (اعراف: 75) اگر یہ حرف کے بغیر ہو تو بھی جائز ہے۔

وَ اِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوۡا رَبَّهُمۡ مُّنِيۡبِيۡنَ اِلَيۡهِ ثُمَّ اِذَاۤ اَذَاقَهُمۡ مِّنۡهُ رَحۡمَةً اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ بِرَبِّهِمۡ يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۳۳﴾

''اور جب پہنچتی ہے لوگوں کو کوئی تکلیف تو پکارنے لگتے ہیں اپنے رب کو رجوع کرتے ہوئے اس کی طرف پھر جب (ان کی فریاد کو قبول فرما کر) چکھاتا ہے انہیں رحمت اپنی جناب سے تو یکایک ایک گروہ ان میں سے اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے''۔

وَ اِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ، ضُرٌّ سے مراد قحط اور شدت ہے۔ دَعَوۡا رَبَّهُمۡ وہ اپنے رب سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے یہ عذاب اٹھالے۔ مُّنِيۡبِيۡنَ اِلَيۡهِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اپنے دل سے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، وہ شرک نہیں کرتے۔ اس کلام کا معنی تعجب ہے اللہ تعالیٰ کے نبی نے مشرکوں پر تعجب کا اظہار کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے جب کہ ان پر پے در پے دلائل واقع ہوتے ہیں یعنی جب ان کفار کو مرض یا شدت میں سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو دعوت دیتے ہیں یعنی جو مصیبت ان پر نازل ہوتی ہے وہ اس کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد لیتے ہیں وہ صرف اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کسی اور (بتوں) کی طرف متوجہ نہیں ہوتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ بتوں کے ہاں تکلیف سے رفع کی کوئی صورت نہیں۔

ثُمَّ اِذَاۤ اَذَاقَهُمۡ مِّنۡهُ رَحۡمَةً، رَحۡمَةً سے مراد عافیت اور نعمت ہے اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ بِرَبِّهِمۡ يُشۡرِكُوۡنَ عبادت میں اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

لِيَكۡفُرُوۡا بِمَاۤ اٰتَيۡنٰهُمۡ ؕ فَتَمَتَّعُوۡا ٝ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۴﴾

''(اچھا) ناشکری کرلیں اس نعمت کی جو ہم نے دی ہے انہیں پس (اے ناشکرو!) لطف اٹھالو تمہیں (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا''۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 314

لِيَكْفُرُوا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ لام کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ لام امر ہے اس میں تہدید کا معنی پایا جاتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف:29) فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ اس میں تہدید اور وعید ہے۔ حضرت عبداللہ کے مصحف میں ہے ولیتمتعوا ہم نے انہیں اس پر قادر بنایا تاکہ وہ لطف اندوز ہوں۔ یہ غائب کی خبر ہے جس طرح لِيَكْفُرُوا ہے مصحف کے خط کے مطابق غائب کی خبر دینے کے بعد خطاب ہے، اسے یہ کرنے والو! لطف اندوز ہولو۔

اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ۝

"کیا ہم نے اتاری ہے ان پر کوئی دلیل پس وہ گواہی دیتی ہے اس شرک (کی سچائی) کی جو وہ کرتے ہیں"۔

اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا یہ ایسا استفہام ہے جس میں توقیف کے معنی ہیں۔ ضحاک نے کہا: سُلْطٰنٌ سے مراد کتاب ہے (1)؛ یہ قول قتادہ اور ربیع بن انس نے کیا ہے۔ مجازاً کلام کی نسبت کتاب کی طرف کی ہے۔ فراء نے یہ گمان کیا کہ عرب سلطان کو مونث قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں: قضت بہ علیك السلطان جہاں تک بصریوں کا تعلق ہے تو ان کے نزدیک مذکر بنانا افصح ہے۔ قرآن حکیم میں بھی اسی طرح آیا ہے، ان کے نزدیک تانیث جائز ہے کیونکہ یہ حجت کے معنی میں ہے۔ ایک حجت ہے جو تمہارے شرک کے بارے میں گویا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس، جبیر اور ضحاک کا بھی قول ہے۔ علی بن سلیمان نے ابوالعباس محمد بن یزید سے روایت نقل کی ہے کہ سلطان، سلیط کی جمع ہے جس طرح رغیف کی جمع رغفان ہے اس کی تذکیر جمع کے معنی میں اور اس کی تانیث جماعت کے معنی میں ہے۔ سلطان کے بارے میں کلام آل عمران میں مفصل گزر چکی ہے۔ سلطان سے مراد جس کے ساتھ انسان اپنی ذات سے ایسا امر دور کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ عقوبت کا مستحق ہوتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ (النمل)

وَ اِذَاۤ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ۝

"اور جب ہم چکھاتے ہیں لوگوں کو رحمت کا (مزہ) تو وہ اس پر پھولے نہیں سماتے اور اگر پہنچتی ہے انہیں کوئی تکلیف بوجہ ان کرتوتوں کے جو آگے بھیجے ہیں ان کے ہاتھوں نے تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں"۔

وَ اِذَاۤ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا رحمت سے مراد سبزی، وسعت اور عافیت ہے؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے (2)۔ نقاش نے کہا: مراد نعمت اور بارش ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد امن ہے۔ معنی قریب قریب ہے۔ فَرِحُوْا بِهَا حاضمیہ سے مراد رحمت ہے۔ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ، سَيِّئَةٌ سے مراد آزمائش اور عقوبت ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے (3)۔ سدی نے کہا: بارش کا نہ ہونا ہے۔ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ انہوں نے جو نافرمانیاں کیں۔ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ وہ رحمت اور وسعت و کشادگی سے مایوس ہو جاتے ہیں؛ یہ جمہور کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: قنوط سے مراد فرائض میں اللہ تعالیٰ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 315 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

کے فرائض کو ترک کرتا ہے۔ قَنِطَ یَقْنِطُ یہ عام قراءت ہے قَنَطَ یَقْنِطُ یہ ابو عمرو، کسائی اور یعقوب کی قراءت ہے۔ اعمش نے قَنِطَ یَقْنِطُ دونوں میں کسرہ کے ساتھ قراءت کی ہے جس طرح حَسِبَ یَحْسِبُ آیت کافر کی صفت ہے، وہ تنگی کے وقت مایوس ہوتا ہے اور نعمت کے وقت اتراتا ہے۔ جس طرح کہا:

كحمار السوء إن أعلفته رمح الناس وإن جاع نهق

برے گدھے کی طرح ہے اگر تو اسے چارہ کھلائے تو لوگوں کو لاتیں مارتا ہے اور اگر بھوکا ہو تو ہینگتا ہے۔

بے شمار لوگ جن کے دل میں ایمان راسخ نہیں ہوا ان کی یہی حالت ہے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔ جہاں تک مومن کا تعلق ہے وہ نعمت کے وقت اپنے رب کا شکر بجالاتا ہے اور تکلیف کے وقت اس سے امید رکھتا ہے۔

اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

''کیا انہوں نے (بارہا) مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے)، بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لے آتے ہیں''۔

جس کے لیے چاہتا ہے دنیا میں بھلائی کو وسیع کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے، اس لیے کوئی ضروری نہیں کہ فقر انہیں مایوسی کی طرف دعوت دے۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾

''پس دو رشتہ دار کو اس کا حق نیز مسکین اور مسافر کو یہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو رضائے الٰہی کے طلب گار ہیں اور وہی لوگ دونوں جہانوں میں کامیاب ہوں گے''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ جب یہ بات گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق وسیع کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے رزق میں کمی کر دیتا ہے۔ جس کا رزق وسیع کیا گیا اس کو حکم دیا کہ وہ فقیر کو اس کی ضرورت کی چیز پہنچائے تاکہ غنی کے شکر کا امتحان لیا جائے۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد آپ اور آپ کی امت ہے کیونکہ اس نے فرمایا: ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ رشتہ داروں کو رشتہ داری کی وجہ سے مال دینے کا حکم دیا بہترین صدقہ وہ ہوتا ہے جو قریبی رشتہ دار کو دیا جائے، اس میں صلہ رحمی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریبی رشتہ داروں کو صدقہ دینے کو غلام آزاد کرنے پر فضیلت دی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا جب کہ آپ نے ایک نوعمر لونڈی آزاد کی تھی: ''اگر تو یہ اپنے ننھیالی رشتہ داروں کو دے دیتی تو تیرے لیے

زیادہ اجر ہوتا"(1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت کی تعبیر میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت میراث سے منسوخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ منسوخ نہیں بلکہ قریبی رشتہ داروں کے حق میں ہر حال میں نیکی کرنا لازم ہے؛ یہ قول صحیح ہے۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا: صلہ رحمی اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرض ہے یہاں تک کہ مجاہد نے کہا: کسی ایسے آدمی کا صدقہ قبول نہیں جس کا قریبی رشتہ دار محتاج ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قربیٰ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی ہیں۔ پہلا زیادہ صحیح ہے کیونکہ ان کا حق اللہ تعالیٰ کی کتاب میں واضح ہے۔ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی (انفال: 41)

ایک قول یہ کیا گیا ہے: قریبی رشتہ داروں کو دینے کا حکم استحباب کے طریقہ پر ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حَقَّهٗ سے مراد خوشحالی میں ہمدردی کرنا ہے اور تنگ دستی میں اچھا قول کرنا ہے۔

وَ الْمِسْكِیْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جو سائل گردش کناں ہو اس کو کھانا کھلا۔ ابن سبیل سے مراد مہمان ہے۔ ضیافت کو فرض قرار دیا۔ یہ تمام مباحث اپنے اپنے مقام پر مفصل گزر چکی ہے۔ الحمد للہ

مسئلہ نمبر 3۔ ذٰلِكَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ حق دینا روکنے سے افضل ہے جب اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور تقرب کا ارادہ کیا جائے۔ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وہ اپنے مطلب کو پانے والا ہے یعنی آخرت کا ثواب۔ سورۃ البقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَ مَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاۡ فِیْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ مَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾

"اور جو روپیہ تم دیتے ہو بیاج پر تا کہ وہ بڑھتا رہے لوگوں کے مالوں میں (سن لو) اللہ کے نزدیک یہ نہیں بڑھتا اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو رضائے الٰہی کے طلب گار بن کر پس یہی لوگ ہیں (جو اپنے مالوں کو) کئی گنا کر لیتے ہیں"۔

وَ مَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاۡ فِیْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ جب اس چیز کا ذکر کیا جس کے ساتھ اس کی رضا کا ارادہ کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر بدلہ عطا فرماتا ہے اس کے علاوہ صفت کا ذکر کیا اور اس کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ جمہور کی قراءت ہے آتیتم یہ مد کے ساتھ ہے معنی ہے أعطیتم جو تم دیتے ہو۔ ابن کثیر، مجاہد اور حمید نے مد کے بغیر پڑھا ہے معنی ہے جو تم ربا کا عمل کرو تا کہ وہ بڑھے جس طرح تو کہتا ہے: آتیت صوابا و آتیت خطاء تو نے صحیح کام کیا اور تو نے غلط کام کیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مد پر اتفاق کیا ہے وَ مَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ ربا کا معنی زیادتی ہے (2)۔ سورۂ بقرہ میں اس کا معنی گزر چکا ہے، وہاں وہ حرام ہے یہاں حلال

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل الصدقۃ، جلد 1، صفحہ 323 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 339

ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کی دو قسمیں ہیں: اس میں ایک قسم حلال ہے اور اس میں ایک قسم حرام ہے (1)۔ عکرمہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ میں کہا: ربا کی دو قسمیں ہیں ربا حلال اور ربا حرام۔

جہاں تک حلال ربا کا تعلق ہے اس سے مراد وہ ہے جو ہدیہ کے طور پر دیا جائے اور جو اس سے افضل ہو اس کو طلب کیا جائے۔ اس آیت میں ضحاک سے مروی ہے: اس سے مراد حلال ربا ہے جو ہدیہ کے طور پر دیا جائے تاکہ اس سے جو افضل ہو وہ ہدیہ کے طور پر اسے لوٹایا جائے نہ اس کے حق میں ہو اور نہ اس کے خلاف ہو۔ اس میں اس کے لیے اجر نہیں اور اس میں اس پر کوئی گناہ نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا مراد کسی آدمی کو ہدیہ دینا جس کے ساتھ وہ یہ امید رکھتا ہو کہ اسے اس سے افضل لوٹایا جائے، یہ ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں بڑھتی، اس کے مالک کو اجر نہیں دیا جاتا لیکن اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اسی معنی میں یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباس، ابن جبیر، طاؤس اور مجاہد نے کہا: یہ آیت ہبۃ الثواب میں نازل ہوئی۔ ابن عطیہ نے کہا: انسان جو ایسا کام کرتا ہے تاکہ اسے بدلہ دیا جائے جیسے سلام یا جو بھی اس کے قائم مقام جاری ہو تو یہ ایسی چیز ہے جس میں کوئی گناہ نہیں، کوئی اجر نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس پر کوئی بڑھوتری نہیں (2)؛ یہی قول قاضی ابو بکر بن عربی نے کیا۔ نسائی کی کتاب میں حضرت عبد الرحمن بن علقمہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ثقیف کا وفد آیا، ان کے پاس ہدیہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یہ ہدیہ ہے یا صدقہ ہے، اگر ہدیہ ہے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنی چاہیے اور ضرورت کو پورا کرنے کی نیت کرنی چاہیے اگر صدقہ ہے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنی چاہیے" (3)۔ انہوں نے عرض کی: نہیں بلکہ یہ ہدیہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ہدیہ قبول کر لیا آپ ان کے ساتھ بیٹھ گئے وہ آپ سے سوال کرتے اور آپ ان سے سوال کرتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی کہا اور ابراہیم نخعی نے بھی یہ کہا ہے: یہ ایسے لوگوں کے بارے میں آیت نازل ہوئی جو اپنے قریبی رشتہ داروں اور اپنے بھائیوں کو مال دیتے تاکہ انہیں نفع حاصل ہو، وہ مال دار ہو جائیں اور ان پر مال دینے والوں کی فضیلت ثابت ہو جائے، اور ان کے مال زیادہ ہو جائیں تاکہ انہیں نفع حاصل ہو (4)۔ شعبی نے کہا: آیت کا معنی ہے جس انسان نے کسی انسان کی کسی چیز کے ساتھ خدمت کی اور اس کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کیا تاکہ اس کے ساتھ دنیا میں نفع اٹھائے تو وہ نفع جس کے بدلے میں اس نے خدمت کی اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ نہیں بڑھتا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خصوصا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حرام ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۞ (المدثر) (5) آپ کو اس چیز سے منع کیا کہ کوئی چیز آپ عطا کریں اور اس کے عوض میں زیادہ چیز لیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے

1۔ احکام القرآن، جلد 3، صفحہ 1491	2۔ الجواہر الحسان، جلد 2، صفحہ 547
3۔ سنن نسائی، کتاب العمری، عطیۃ المرأۃ بغیر اذن زوجہا، جلد 2، صفحہ 141
4۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 339	5۔ احکام القرآن، جلد 3، صفحہ 1492

اس سے مراد حرام شدہ ربا ہے۔ **فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ** کا، اس قول کی بنا پر معنی ہے اس کے لینے والے کے بارے میں حکم نہیں بلکہ یہ حکم اس کے لیے ہے جس سے وہ مال لیا گیا۔ سدی نے کہا: یہ آیت بنو ثقیف کے ربا کے بارے میں نازل ہوئی، کیونکہ وہ سود کا کاروبار کیا کرتے تھے اور قریش ان کے ساتھ معاملہ کیا کرتے تھے۔

مسئلہ نمبر 2۔ قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا: آیت کا صریح معنی اس آدمی کے بارے میں ہے جو کوئی چیز ہبہ کرتا ہے اور بدلہ میں لوگوں سے زیادہ مال کا طالب ہوتا ہے۔ مہلب نے کہا: علماء نے اس آدمی کے بارے میں اختلاف کیا جو آدمی ہبہ کرتا ہے اور اس کے بدلے میں بدلہ کا طالب ہوتا ہے اور کہا: میں نے بدلہ کا ارادہ کیا۔ امام مالک نے کہا: اس میں غور و فکر کیا جائے گا۔ اگر وہ جس موہوب لہ سے بدلہ کا طالب ہے وہ ایسا ہی ہے تو اس کے لیے وہ ہوگا جس طرح فقیر غنی کو ہبہ کرے، خادم صاحب کو ہبہ کرے، کوئی آدمی اپنے امیر اور اس سے بالا کو ہبہ کرے یہ امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: اس کے لیے بدلہ نہ ہوگا جب اس نے شرط نہ لگائی ہو، یہ امام شافعی کا دوسرا قول ہے فرمایا: بدلہ کے لیے ہبہ باطل ہے یہ اسے کوئی نفع نہ دے گا، کیونکہ یہ مجہول ثمن کے بدلے میں بیع ہے۔ کوفہ کے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ ہبہ اصل میں بطور نفل ہے اگر ہم اس میں عوض کو واجب کر دیں تو اس میں فضل و احسان کا معنی باطل ہو جائے گا اور وہ معاوضات کے معنی میں ہو جائے گا۔ عربوں نے لفظ بیع اور لفظ ہبہ میں فرق کیا ہے انہوں نے لفظ بیع کو اس کے لیے خاص کیا ہے جس میں وہ عوض کا مستحق ہوتا ہے اور ہبہ اس کے خلاف ہے۔ ہماری دلیل وہ روایت ہے جسے امام مالک نے موطا میں روایت کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس آدمی نے کوئی ہبہ کیا اس کی رائے تھی کہ یہ بدلہ کے طور پر ہے تو وہ ہبہ کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے یہاں تک کہ وہ بالعوض ہدیہ پر راضی ہو جائے۔

اسی کی مثل حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: ہبہ تین قسم کے ہیں: (۱) ایسا ہبہ جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کیا جائے (۲) ایسا ہبہ جس سے لوگوں کی رضا کا ارادہ کیا جائے (۳) ایسا ہبہ جس سے بدلہ کا ارادہ کیا جائے۔ بدلہ کے لیے جو ہبہ دیا جائے تو ہبہ کرنے والا اسے واپس لے سکتا ہے جب اسے بدلہ نہ دیا جائے۔ امام بخاری نے یہ عنوان باندھا ہے باب المکافاۃ فی الھبۃ (1) اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر کی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے اور اس پر بدلہ دیا کرتے تھے۔ دودھ دینے والی اونٹنی پر بدلہ دیا اور اس اونٹنی کے مالک نے جب بدلہ طلب کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انکار نہ کیا اور بدلہ کے لیے راضی ہونے پر ناپسند کیا جب کہ وہ ہدیہ کی قیمت پر زائد تھا۔

مسئلہ نمبر 3۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے جو ذکر کیا اور ہبہ کی جو تفصیل بیان کی ہے وہ صحیح ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہبہ کرنے والا اپنے ہبہ میں تین احوال سے خالی نہیں: (۱) وہ ہبہ کرکے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہو اور اللہ تعالیٰ سے ہی بدلہ کا طالب ہو (۲) وہ اس کے ذریعے لوگوں کی رضا چاہتا ہے وہ ریاکاری کرتا ہے تاکہ لوگ اس کی تعریف کریں اور اس ہبہ کی وجہ سے اس کی ثنا کریں (۳) وہ موہوب لہ سے اس کے ساتھ بدلہ کا ارادہ کرتا ہے۔ اس بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ نبی کریم

1۔ صحیح بخاری، باب المکافاۃ فی الھبۃ

ﷺ کا ارشاد ہے: الأعمال بالنیات وانما لکلِ امرئ مانوی (1) اعمال کادارومدار نیتوں پر ہے ہر آدمی کے لیے وہ کچھ ہے جس کی وہ نیت کرے۔ جب ایک آدمی اپنے ہبہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کرے اور اس کی بارگاہ سے ثواب چاہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لیے فضل ورحمت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ۔

اسی طرح وہ آدمی جو اپنے قریبی رشتہ دار کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہے تاکہ وہ غنی ہو جائے اور وہ کسی پر بوجھ نہ بنے تو اس میں بھی نیت' کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر وہ اس کے ساتھ دنیا چاہتا ہے تو یہ عمل اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں ہوگا۔ اگر وہ اس کی مدد اس لیے کرتا ہے کیونکہ اس کا اس پر حق قرابت ہے اور ان کے درمیان رشتہ داری ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا (2)۔

اور وہ شخص جو اپنے ہبہ کے ساتھ لوگوں کی رضا چاہتا ہے مقصود ریاکاری ہے تاکہ لوگ اس کی تعریف کریں اور اس کی وجہ سے اس کی ثنا کریں تو اس کے ہبہ میں اس کے لیے کوئی نفع نہیں، نہ دنیا میں بدلہ ہے اور نہ آخرت میں اجر ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ (البقرہ: 264)

جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جو موہوب لہ سے بدلہ کا طالب ہے تو اس کے لیے وہ کچھ ہے جس کا اس نے ارادہ کیا۔ ابن قاسم کا مذہب ہے: اگر وہ شخص جس کو وہ چیز ہبہ کے طور پر دی گئی وہ ہبہ کرنے والے کو ایسی چیز نہ دے جو اس کی قیمت کی حامل ہو یا اس سے زیادہ قیمت پر وہ راضی ہو تو ہبہ واپس کر سکتا ہے؛ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے قول کا ظاہر وہی ہے۔

واضح میں مطرف کا قول بھی یہی ہے: ہبہ ایسی چیز ہو جس کی اصل قائم رہنے والی ہو اگر زائد ہو جائے یا کم ہو جائے تو واہب کو اس میں رجوع کا حق ہے اگرچہ موہوب لہ اسے اس میں زیادہ دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب وہ ایسی چیز ہو جس کی اصل باقی رہنے والی ہے وہ متغیر نہ ہو تو جو چاہے لے لے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے قیمت لازم ہوگی جس طرح نکاح تفویض میں ہوتا ہے اگر ہبہ کے فوت ہونے کے بعد مقابلہ ہو تو اس کے لیے بالاتفاق قیمت ہی ہوگی؛ یہ ابن عربی کا قول ہے (3)۔

مسئلہ نمبر 4۔ لِيَرْبُوَا جمہور قراء سبعہ نے اسے پڑھا لیربوا یعنی یاء کے ساتھ پڑھا۔ فعل ربا کی طرف منسوب ہے۔ صرف نافع نے تاء کے ضمہ اور واؤ کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے یہ مخاطب کا صیغہ ہے معنی ہوگا تم زیادتی والے ہو؛ یہ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، قتادہ اور شعبی کی قراءت ہے۔ ابو حاتم نے کہا: یہ ہماری قراءت ہے۔ ابو مالک نے لتربوھا تانیث کی ضمیر کے ساتھ لکھا ہے۔ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ وہ نہ بڑھتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ اس پر بدلہ دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اسی کو قبول فرماتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کیا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہوتا ہے۔ سورۃ النساء میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مِّنْ زَكٰوةٍ سے مراد صدقہ ہے۔ تو یہ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ یہی وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور اسے دس گنا یا اس سے زیادہ بڑھا دیتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝ (الحدید) فرمایا: وَمَثَلُ الَّذِيْنَ

1۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، جلد 1، صفحہ 2　2۔ احکام القرآن، جلد 3، صفحہ 1491　3۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 1492

يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ (البقرہ:265) فرمایا: فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ یہ نہیں فرمایا: فانتم المضعفون کیونکہ خطاب کے صیغہ سے غیب کے صیغہ کی طرف رجوع کیا ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَيْنَ بِهِمْ (یونس:22)

مضعفین کے معنی میں دو قول ہیں: (۱) ان کے لیے نیکیوں کو کئی گنا کر دیا جاتا ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا (۲) ان کے لیے خیر اور نعمتوں کو کئی گنا بڑھا دے گا یعنی وہ اصحاب اضعاف ہیں جس طرح یہ کہا جاتا ہے: فلان مضعف یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس کے اونٹ طاقتور ہوں یا اس کے ساتھی طاقتور ہوں۔ فلان مسمن اس وقت کہا جاتا ہے جب اس کے اونٹ موٹے ہوتے ہیں۔ فلان معطش اس وقت کہا جاتا ہے جب اس کے اونٹ پیاسے ہوں۔ فلان مضعف جب اس کے اونٹ کمزور ہوں۔ اس معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللھم إني أعوذ بك من الخبيث المخبث الشيطان الرجيم (1) مخبث اسے کہتے ہیں جسے خبث لاحق ہو۔ یہ کہا جاتا ہے: فلان ردی وہ خود ردی ہے فلان مردی اس کے ساتھی ردی ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۠ ۝

"اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تمہیں رزق دیا پھر (مقررہ وقت پر) تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا، کیا تمہارے (ٹھہرائے ہوئے) شریکوں میں سے بھی کوئی ہے جو کر سکتا ہو ان کاموں میں سے کوئی، پاک ہے اللہ تعالیٰ (ہر عیب سے) اور بلند ہے ان سے جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں"۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ یہ کلام مبتدا اور خبر ہے کلام مشرکوں کے خلاف استدلال کی طرف لوٹ رہی ہے۔ وہ خالق، رازق، زندگی عطا کرنے والا اور موت دینے والا ہے۔ پھر استفہام کے طریقہ پر کہا: هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ یعنی اس کے شریکوں میں سے تو کوئی بھی کچھ نہیں کرتے۔ پھر اپنی انداد، اضداد، بیوی اور اولاد سے پاکی بیان کی۔ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ شرکاء کی نسبت ان کی طرف کی کیونکہ وہ شرک انہیں الہ اور شرکاء نام دیا کرتے تھے اور اپنے اموال کے لیے مختص کرتے ہیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝

"پھیل گیا ہے فساد بر اور بحر میں بوجہ ان کرتوتوں کے جو لوگوں نے کیے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ چکھائے انہیں کچھ سزا ان کے (برے) اعمال کی شاید وہ باز آجائیں"۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ علماء نے فساد بر اور بحر کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ قتادہ اور سدی نے کہا: فساد کا معنی

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، مایقول عند الخلاء، جلد 1، صفحہ 26۔ ایضاً، حدیث نمبر 294، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

شرک ہے؛ یہ سب سے بڑا فساد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ اور مجاہد نے کہا: زمین میں فساد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے کا اپنے بھائی کو قتل کرنا ہے۔ قابیل نے حضرت ہابیل کو قتل کر دیا تھا۔ بحر میں فساد سے مراد یہ ہے کہ وہ بادشاہ جو ہر کشتی کو غصب کر لیتا ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فساد سے مراد قحط، نباتات کی کمی اور برکت کا چلا جانا ہے، اسی کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فرمایا: اس سے مراد بندوں کے اعمال کی وجہ سے برکت کا کم ہو جانا ہے تاکہ وہ توبہ کر لیں۔ نحاس نے کہا: اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ کہا گیا ہے اس میں سے بہترین تعبیر ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ بحر میں فساد سے مراد یہ ہے کہ بندوں کے گناہوں کی وجہ سے اس کے شکار کا ختم ہو جانا (2)۔ عطیہ نے کہا: جب بارش کم ہوتی ہے تو اس کی گہرائی میں کمی آ جاتی ہے (3)، شکاری پریشان ہو جاتے ہیں اور سمندر کے جانور اندھے ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب آسمان سے بارش ہوتی ہے تو سمندر میں سیپیاں کھل جاتی ہیں بارش کا جو قطرہ ان میں گرتا ہے تو وہ موتی بن جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فساد سے مراد بھاؤ کی کساد بازاری اور معاش کی قلت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فساد سے مراد نافرمانیاں، ڈاکہ ڈالنا اور ظلم ہے، یعنی یہ عمل زراعت، عمارات اور تجارت میں مانع ہے۔ سب کا معنی قریب قریب ہے۔

براور بحر لغت اور لوگوں کے ہاں معروف و مشہور ہیں ان سے مراد وہ نہیں جو بعض لوگوں نے کہا کہ بر سے مراد لسان ہے، بحر سے مراد دل ہے کیونکہ زبان پر جو چیز ہوتی ہے وہ ظاہر ہوتی ہے اور دل میں جو چیز ہوتی ہے وہ مخفی ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بر سے مراد جنگل و صحرا اور بحر سے مراد بستیاں ہیں؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ عرب شہروں کو بحار کہتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: بر سے مراد ستونوں والے ہیں اور بحر سے مراد بستیوں اور سبزہ زاروں والے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بر سے مراد وہ شہر اور بستیوں والے ہیں جو دریا کے کنارے نہ ہوں اور بحر سے مراد وہ شہر اور بستیاں ہیں جو دریا کے کنارے ہوں (4)؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ فرمایا: خبردار اللہ کی قسم! وہ بحر تمہارا یہ نہیں بلکہ ہر بستی جو جاری پانی پر ہو تو وہ بحر ہوتا ہے (5)؛ یہی معنی نحاس نے بھی بیان کیا ہے: کہا اس کے معنی میں دو قول ہیں: (1) خشک سالی جنگلوں اور دیہاتوں میں غالب آ جائے اور فی البحر سے مراد مدن البحر۔ جو شہر دریاؤں کے کناروں پر آباد ہوں۔ جس طرح ہے وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ (یوسف: 82)۔ یہاں بھی القریۃ سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ فساد سے مراد ہے بارش کم ہو گئی اور بھاؤ بڑھ گئے۔

بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ یہاں بعض سے پہلے عقاب کا لفظ محذوف ہے۔ الَّذِيْ عَمِلُوْا دوسرا قول یہ ہے: معاصی غالب آ گئیں کہ ڈاکے پڑنے لگے اور ظلم عام ہو گیا یہ حقیقت میں فساد ہے۔ پہلا معنی مجاز ہے مگر دوسرے جواب کی شرط پر کلام میں حذف اور اختصار ہو گا جس حذف پر مابعد کلام دلالت کرے گا۔ معنی ہے خشکی اور تری میں معاصی غالب آ گئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں بارش کو روک دیا اور ان کے بھاؤ بڑھ گئے تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے بعض اعمال

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 1، صفحہ 401
2۔ اعراب القرآن، جلد 2، صفحہ 547
3۔ تفسیر طبری، جز 21، صفحہ 58
4۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 317
5۔ تفسیر طبری، جز 21، صفحہ 57

کا عتاب چکھائے۔

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ممکن ہے وہ توبہ کریں۔ آیت میں **بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا** کہا کیونکہ بڑی جزا آخرت میں ہوگی۔ قراءت نیذیقهم یاء کے ساتھ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نون کے ساتھ قراءت کی ہے: یہ سلمی، ابن محیصن، قنبل اور یعقوب کی قراءت ہے جو برائے تعظیم ہے، یعنی ہم انہیں ان کے بعض اعمال کی سزا چکھائیں گے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ۝

"(اے محبوب!) آپ (انہیں) فرمائیے سیر و سیاحت کرو زمین میں اور دیکھو کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے، ان میں سے اکثر مشرک تھے"۔

اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کہیے: زمین میں گھومو پھرو تاکہ پہلے لوگوں کے احوال سے عبرت حاصل کرسکو اور دیکھو کہ رسولوں کو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ۝

"پس کرلو اپنا رخ اس دین قیم کی طرف اس سے پہلے کہ آجائے وہ دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے جسے ٹلنا نہیں، اس روز یہ لوگ جدا جدا ہو جائیں گے"۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ زجاج نے کہا: اپنے ارادہ کو سیدھا رکھو اور اپنی جہت کو دین قیم کی اتباع کی طرف رکھو۔ دین قیم سے مراد اسلام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے حق واضح کرو، معذرت پیش کرنے میں مبالغہ سے کام لو جو کام مقرر ہے: اس میں مشغول رہو اور اس پر ثابت قدم رہو۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ اسے ان سے نہیں لوٹائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ اسے نہیں لوٹائے گا تو کسی کے بس میں نہ ہوگا کہ اس کو واپس کر سکے۔ سیبویہ کے علاوہ کے نزدیک لا مرد لہ بھی جائز ہے، سیبویہ کے نزدیک یہ ترکیب بعید ہے مگر اس صورت میں کہ کلام میں عطف ہو۔ مراد یوم قیامت ہے۔ **يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ** حضرت ابن عباس نے کہا: اس کا معنی ہے وہ جدا جدا ہو جائیں گے۔ شاعر نے کہا:

وكنا كندماني جذيمة حقبة　　من الدهر حتى قيل لن يتصدعا(1)

ہم جذیمہ کے ایک عرصہ تک ندیم رہے یہاں تک کہ یہ کہا جانے لگا: وہ جدا نہیں ہوں گے۔

اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ۝** (الروم) اور **فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ** (شوریٰ)

اصل يتصدعون ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: تصدع القوم جب وہ بکھر جائے، اسی سے الصداع مشتق ہے کیونکہ یہ سر کے اجزاء

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 318

کو تیار کرتا ہے۔

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ۝

''جس نے کفر کیا تو اس پر ہے اس کے کفر کا وبال اور جنہوں نے نیک عمل کیے تو وہ اپنے لیے ہی راہ ہموار کر رہے ہیں''۔

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ کفر سے پہلے جزاء کا لفظ محذوف ہے۔ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ وہ اپنے لیے عمل صالح کے بدلہ میں بستر، مسکن اور قرار کو تیار کریں گے، اسی سے مهد الصبي ہے۔ مہاد سے مراد فراش ہے قد مهدت الفراش مهدا میں نے بستر کو بچھایا۔ تمهيد الامور سے مراد ان کو درست کرنا ہے۔ تمهيد العذر سے مراد عذر کو پیش کرنا اور اس کو قبول کرنا ہے۔ التمهد کا معنی قدرت حاصل کرنا ہے۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہ قول نقل کیا ہے: فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ یعنی قبر میں بستر بچھاتے ہیں۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝

''تاکہ اللہ تعالیٰ بدلہ دے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اپنے فضل و کرم سے بے شک وہ پسند نہیں کرتا کفار کو''۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وہ اپنے لیے بستر بچھاتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے بدلہ عطا کرے، یعنی اس کلام کا تعلق تمهدون لانفسهم کے ساتھ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا تعلق يصدعون کے ساتھ ہے کلام یوں ہوگی: يصدعون ليجزيهم الله تاکہ کافر کو مسلمان سے الگ کردے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

''اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں ایک یہ ہے کہ وہ بھیجتا ہے ہواؤں کو (بارش کا) مژدہ سناتے ہوئے نیز تاکہ وہ تمہیں چکھائے اپنی رحمت سے اور تاکہ چلیں کشتیاں اس کے حکم سے اور تاکہ تم طلب کرو اس کے فضل سے اور تاکہ تم شکر ادا کرو''۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ اس کی کمال قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجے بارش کی خوشخبری دینے والیاں کیونکہ ہوائیں بارش سے پہلے آتی ہیں۔ سورۃ الحجر میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ وَلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ رحمت سے مراد بارش اور سرسبز و شادابی ہے۔ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ تاکہ ہواؤں کے چلنے کے ساتھ سمندر میں کشتیاں چلیں۔ بِاَمْرِهٖ کو زیادہ کیا کیونکہ ہوائیں کبھی چلتی ہیں مگر موافق نہیں ہوتیں، اس لیے ضروری ہے کہ کشتیوں کو ساحل پر باندھا جائے اور ان کے روکنے کا حیلہ کیا جائے۔ بعض اوقات ہوائیں چلتی ہیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے کشتیوں کو غرق کر دیتی ہیں۔ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ یہاں فضل سے مراد تجارت سے رزق ہے۔ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ توحید اور اطاعت کے ساتھ ان نعمتوں

پر شکر بجالاؤ۔ یہ سب کچھ مفصل گزر چکا ہے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

''اور بے شک ہم نے بھیجے آپ سے پہلے پیغمبران کی قوموں کی طرف پس وہ لے کر آئے ان کے پاس روشن دلیلیں پس ہم نے بدلہ لیا ان سے جنہوں نے جرم کیے، اور ہمارے ذمہ پر ہے اہل ایمان کی امداد فرمانا''۔

بینات سے مراد معجزات اور روشن دلائل ہیں۔ انہوں نے کفر کیا تو ہم نے کفر کرنے والے سے انتقام لیا۔ حقا، کان کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور نصر، کان کا اسم ہے۔ ابو بکر حقا پر وقف کرتے، تقدیر کلام یہ ہے کان عقابنا حقا پھر فرمایا: عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ یہ مبتدا اور خبر ہے یعنی اس نے خبر دی کہ وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اور ہماری خبر بھی خلاف واقع نہیں ہو سکتی۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَذُبُّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى اَنْ يَّرُدَّ عَنْهُ نَارَ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (1)۔

جو مسلمان بھی اپنے بھائی کی عزت کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لیا ہے کہ قیامت کے روز اس سے جہنم کی آگ کو دور کردے۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی؛ نحاس، ثعلبی، زمخشری وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَ يَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ۝

''اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو پس وہ اٹھاتی ہیں بادل کو پس اللہ تعالیٰ پھیلا دیتا ہے اسے آسمان پر جس طرح چاہتا ہے اور کر دیتا ہے اسے ٹکڑے ٹکڑے پھر تو دیکھتا ہے بارش کو کہ ٹپکنے لگتی ہے اس میں پھر جب وہ پہنچاتا ہے اسے جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں سے اس وقت وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں اگرچہ وہ بندے اس سے پہلے کہ ان پر بارش ہوتی مایوس ہو چکے تھے''۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ ابن محیصن، ابن کثیر، حمزہ اور کسائی نے الریح کو واحد پڑھا ہے باقی قراء نے جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ ابو عمر نے کہا: ریح کا لفظ جہاں بھی رحمت کے معنی میں ہو وہ جمع کا صیغہ ہے اور جو عذاب کے معنی میں ہو وہ واحد ہے۔ سورۂ بقرہ وغیرہ میں آیت کا معنی گزر چکا ہے۔

کِسَفًا یہ کسفۃ کی جمع ہے جس کا معنی قطعہ ہے۔ حضرت حسن بصری، ابو جعفر، عبد الرحمن الاعرج اور ابن عامر نے کسف سین کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے یہ بھی کسفۃ کی جمع ہے جس طرح کہا جاتا ہے: سدرۃ و سدر اس قراءت کی بنا پر وہ ضمیر

1۔ جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، ماجاء فی الذب عن عرض المسلم، جلد 2، صفحہ 15

جو اس کے بعد ہے اس کی طرف لوٹے گی، یعنی تو بارش کو دیکھے گا جو بادل کے درمیان سے نکلتی ہے کیونکہ جمع اور واحد کے درمیان صرف ہاء کا ہی فرق ہے اس لیے اسے مذکر ذکر کرنا اچھا ہے۔ ضحاک، ابو العالیہ اور ابن عالیہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فتری الودق یخرج من خللہ پڑھا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ خلل۔ خلال کی جمع ہے۔

فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ ہا ضمیر سے مراد بارش ہے۔ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ وہ بارش کے نازل ہونے سے خوش ہوتے ہیں۔ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ وہ اس سے قبل مایوس اور رنجیدہ ہو چکے تھے، ان پر غم عیاں تھا کیونکہ ان سے بارش رک چکی تھی۔ مِّنْ قَبْلِهٖ اخفش کے نزدیک یہ مکرر ہے، تاکید کے لیے آئی ہے، اکثر نحویوں کا یہی قول ہے، یہ نحاس کا قول ہے۔

قطرب نے کہا: پہلا قبل انزال اور دوسرا بارش کے لیے ہے اس کی وضاحت یہ ہوگی ان کانوا من قبل التنزیل من قبل المطر۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر بارش نازل ہونے سے پہلے کھیتی سے پہلے، زراع پر بارش دلالت کرتی ہے کیونکہ کھیتی بارش کے سبب سے ہی ہوتی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے: فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا (الروم: 51) جس طرح اس کی وضاحت آگے آئے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے بادل سے پہلے، اس کو دیکھنے سے قبل، اس قول کو نحاس نے پسند کیا ہے یعنی بادل دیکھنے سے قبل۔ لَمُبْلِسِيْنَ یعنی مایوس۔ سحاب کا ذکر گزر چکا ہے۔

فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

''پس (چشم ہوش سے) دیکھو رحمت الٰہی کی علامتوں کی طرف (تمہیں پتہ چلے گا) کہ وہ کیسے زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد، بے شک وہی خدا مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے''۔

فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ یعنی بارش کی طرف دیکھو یعنی عبرت اور استدلال کی نظر سے دیکھو یعنی اس سے یہ استدلال کرو کہ جو اس پر قادر ہے تو وہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ ابن عامر، حفص، حمزہ اور کسائی نے آثار جمع کا صیغہ پڑھا ہے باقی قراء نے واحد کا صیغہ پڑھا ہے، کیونکہ یہ مفرد کی طرف مضاف ہے۔ اثر، یحیی کا فاعل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ فاعل اللہ تعالیٰ کا اسم ہو۔ جس نے آثار جمع کا صیغہ پڑھا ہے تو وہ اس لیے ہے کہ رحمت سے مراد کثرت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (النحل: 18) جحدری، ابو حیوہ اور دوسرے علماء نے پڑھا: کیف تحیی الارض تاء کے ساتھ پڑھا ہے تانیث لفظ رحمة کے اعتبار سے ہے کیونکہ رحمت کا اثر اس کے قائم مقام ہوتا ہے، گویا یہ بھی رحمت ہی ہے یعنی رحمت زمین اور آثار کو جسے زندہ کرتی ہے جس نے یاء کے ساتھ یحیی پڑھا ہے تو فاعل اللہ تعالیٰ، بارش اور اثر ہوگا۔ كَيْفَ يُحْيِ اپنے معنی پر محمول کرتے ہوئے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ لفظا لفظ استفہام ہے اور حال خبر

ہے تقدیر کلام یہ ہوگی: فانظر الی اثر رحمۃ اللہ محییۃ للأرض بعد موتھا۔

اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ شاہد سے غائب پر استدلال ہے۔

وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ۝

"اور اگر ہم بھیجتے ایسی ہوا (جس کے اثر سے) وہ دیکھتے اپنے سرسبز کھیتوں کو کہ زرد ہو گئے ہیں تو اس کے باوجود وہ کفر پر اڑے رہتے"۔

وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا ہا ضمیر سے مراد الریح ہے اور الریح کو مذکر پڑھنا بھی جائز ہے۔ محمد بن یزید نے کہا: ہر مونث جو غیر حقیقی ہو اسے مذکر قرار دینا ممتنع نہیں جس طرح أعجبنی الدار اور اس کے مشابہ جو دوسرے جملے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرأوا السحاب۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ضمیر سے مراد الزرع ہے، یہی اثر ہے معنی ہو گا وہ اثر کو زرد دیکھیں گے۔ کھیتی کے سبز ہونے کے بعد اس کا زرد ہونا اس کے خشک ہونے پر دال ہے، اسی طرح سحاب اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ بارش نہیں برسائے گا اور ہوا لاقحہ کا عمل نہیں کرے گی۔

لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ یعنی لَيَظَلُّنَّ فعل مضارع کی جگہ فعل ماضی ذکر کرنا اچھا ہے کیونکہ کلام میں مجازاۃ کا معنی ہے اور مجازاۃ مستقبل میں نہیں ہوتا، یہ خلیل وغیرہ کا قول ہے۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۚ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

"پس آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں اپنی پکار خصوصاً جب وہ پیٹھ پھیر کر چل رہے ہوں۔ اور نہ آپ ہدایت دے سکتے ہیں اندھوں کو ان کی گمراہی سے، آپ نہیں سنا سکتے مگر انہیں جو ایمان لاتے ہماری آیتوں پر بس وہ گردن جھکائے ہوئے ہیں"۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے دلائل کو واضح کر دیا لیکن وہ کفر میں اپنے اسلاف کی تقلید سے محبت کرتے ہیں اس وجہ سے ان کی عقول مر چکی ہیں اور ان کی بصیرتیں ناپید ہو گئی ہیں انہیں یہ پیغام حق سنانا اور انہیں ہدایت آپ کے لیے ممکن نہیں (1) یہ قدریہ کا رد ہے۔ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا یعنی آپ مومنوں کو ہی وعظ سنا سکتے ہیں جو توحید کے ادلہ کو توجہ سے سنتے ہیں اور میں نے ان کے لیے ہدایت کو تخلیق فرمایا ہے۔ سورۂ نمل میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ یہاں بِهٰدِ الْعُمْيِ کا لفظ یاء کے بغیر واقع ہوا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ

1۔ آیات کی تفسیر سے یہ عیاں ہے کہ مردوں، بہروں اور اندھوں سے مراد وہ ہیں جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں یہاں یہ الفاظ اپنے حقیقی معنی میں نہیں۔ (مترجم)

قُوَّةٍ ضُعۡفًا وَّ شَيۡبَةً ؕ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الۡعَلِيۡمُ الۡقَدِيۡرُ ﴿۵۴﴾

''اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں (ابتدا میں) کمزور پیدا فرمایا پھر عطا کی (تمہیں) کمزوری کے بعد قوت پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دے دیا، پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور وہی سب کچھ جاننے والا بڑی قدرت والا ہے''۔

اَللّٰهُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ ضَعۡفٍ انسان کی ذات میں موجود اس کی قدرت پر ایک اور استدلال کا ذکر کیا کہ وہ عبرت حاصل کرے۔ مِّنۡ ضَعۡفٍ کا معنی ہے کمزور نطفہ سے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مِّنۡ ضَعۡفٍ کا معنی ہے کمزور حالت میں۔ اس سے مراد ہے جب وہ ابتدا میں طفولت اور چھوٹی عمر میں تھے۔ ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ ضَعۡفٍ قُوَّةً مراد جوانی ہے۔ ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ ضُعۡفًا مراد بڑھاپا ہے۔ عاصم اور حمزہ نے اسے پڑھا سب میں ضاد مفتوح ہے۔ باقی قراء نے ضاد پر ضمہ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔

ضمہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لغت ہے۔ ضعفا یہ ضمہ کے ساتھ خاص ہے۔ ارادہ یہ کیا کہ دونوں لغتوں کو جمع کر دے۔ فراء نے کہا: ضاد پر ضمہ یہ قریش کی لغت ہے اور فتحہ یہ بنو تمیم کی لغت ہے۔ جوہری نے کہا: الضَّعف اور الضُّعف یہ قوت کی ضد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الضعف جب ضاد کے فتحہ کے ساتھ ہو تو رائے میں کمزوری کو کہتے ہیں اور ضمہ کے ساتھ ہو تو جسم میں کمزوری کو کہتے ہیں۔ اسی معنی میں وہ حدیث ہے جو اس آدمی کے بارے میں ہے جو بیوع میں دھوکہ کھا جاتا تھا انہ یبتاع وفی عقدتہ ضعف (1) وہ خرید و فروخت کرتا ہے اور اس کے عقد کرنے میں کمزوری ہے۔ وَّ شَيۡبَةً یہ الشیب کی طرح مصدر ہے۔ مصدر سب کے لیے کافی ہے، اسی طرح ضعف اور قوت میں قول ہے۔ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ قوت و ضعف میں سے جو چاہتا ہے اسے پیدا کرتا ہے۔ وَ هُوَ الۡعَلِيۡمُ وہ تدبیر کو جانتا ہے اور اپنے ارادہ میں قوی ہے (2)۔ کوفہ کے نحویوں نے ضعف عین کے فتحہ کو جائز قرار دیا ہے۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ ہر اس لفظ میں ہے جس کا عین یا لام کلمہ حرف حلقی ہو۔

وَ يَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يُقۡسِمُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ۙ مَا لَبِثُوۡا غَيۡرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوۡا يُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۵۵﴾

''اور جس روز قیامت قائم ہو گی قسمیں اٹھائیں گے مجرم کہ نہیں ٹھہرے وہ (دنیا میں) مگر ایک گھڑی یونہی وہ (پہلے بھی) غلط بیانی کیا کرتے تھے''۔

وَ يَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يُقۡسِمُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ مشرک قسم اٹھائیں گے۔ مَا لَبِثُوۡا غَيۡرَ سَاعَةٍ اس میں عذاب قبر کا رد نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی سندوں سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی اور پناہ مانگنے کا حکم دیا۔ ان روایات میں سے ایک یہ ہے جسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو کہتے ہوئے سنا: اے اللہ! مجھے میرے خاوند جو رسول اللہ ہیں، میرے باپ حضرت ابوسفیان اور

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاجارۃ، باب فی الرجل یقول فی البیع لا خلابۃ، جلد 2، صفحہ 138　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 322

میرے بھائی حضرت معاویہ (کی زندگی) سے لطف اندوز کر۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تحقیق تو نے بیان کی گئی آجال اور تقسیم کیے گئے رزقوں کے بارے میں پوچھا بلکہ تو اللہ تعالیٰ سے سوال کر کہ وہ تجھے عذاب جہنم سے پناہ دے اور عذاب قبر سے پناہ دے'' (1)۔ یہ احادیث مشہورہ میں سے ہے جنہیں امام بخاری، امام مسلم اور دوسرے محدثین نے بیان کیا ہے۔ ہم نے ان تمام احادیث کو کتاب ''التذکرۃ'' میں ذکر کر دیا ہے۔

مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ میں دو قول ہیں: (1) یوم قیامت سے قبل بے ہوشی کا ہونا ضروری ہے اسی وجہ سے انہوں نے کہا: ما لبثنا غیر ساعۃ ہم ساعت بھر رہے۔ (۲) مراد وہ دنیا لیتے ہیں کیونکہ وہ زائل اور منقطع ہونے والی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا (النازعات) گویا وہ دن کی کچھ گھڑیاں ٹھہرے ہیں اگرچہ انہوں نے امور غیب پر اور اس چیز پر قسم اٹھائی جس کو نہیں جانتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ وہ دنیا میں جھوٹ بولا کرتے تھے (2)۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: افک الرجل جب اسے صدق اور خیر سے پھیر دیا جائے۔ ارض ما فوکۃ ایسا علاقہ جس سے بارش کو روک دیا گیا ہو۔ اہل نظر کی ایک جماعت نے گمان کیا کہ قیامت میں جھوٹ جائز نہیں کیونکہ وہ اس میں ہوں گے جب کہ قرآن اس کے برعکس پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ جس طرح انہیں ان کی قسموں میں حق سے پھیر دیا گیا کہ وہ صرف ایک لحہ بھر اس میں ٹھہرے اسی طرح وہ دنیا میں حق سے پھیر دیے گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ (المجادلہ) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا (الانعام: 23)

وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَ الْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ٞ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَ لٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۵۶

''اور کہیں گے وہ لوگ جنہیں علم اور ایمان دیا گیا (انہیں) کہ تم ٹھہرے رہے نوشتہ الٰہی کے مطابق روز حشر تک پس یہ (آگیا) ہے یوم محشر لیکن تم نہیں جانتے تھے''۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَ الْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ، الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ کی تعبیر میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ملائکہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد انبیاء ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد امتوں کے علماء ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: مراد اس امت کے مومن ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد تمام مومن ہیں یعنی کافر مومنوں سے کہیں گے، مقصود ان کا رد کرنا ہوگا: تم اپنی قبروں میں یوم بعث تک رہے۔ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ میں فاء شرط محذوف کے جواب کے لیے ہے جس پر کلام دلالت کرتی ہے۔ معنی یہ بنتا ہے: ان کنتم منکرین البعث فھذا یوم البعث۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، باب بیان ان الآجال والارزاق وغیرھا، جلد 2، صفحہ 338
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 323

یعقوب نے بعض قراء سے بیان کیا جب کہ یہ حضرت حسن بصری کی قراءت ہے اِلٰی یَوْمِ الْبَعَثِ یعنی عین متحرک ہے۔ یہ ان تمام الفاظ میں قاعدہ جاری ہوتا ہے جس میں حرف حلقی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مراد الله کے حکم میں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ بنے گی قال الذین أوتوا العلم فی کتاب الله والإیمان لقد لبثتم الی یوم البعث، (1) یہ مقاتل، قتادہ اور سدی کا قول ہے۔ قشیری نے کہا: اس تعبیر کی بناء پر اُوْتُوا الْعِلْمَ، كِتٰبِ اللّٰهِ کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یعنی وہ لوگ جن کے حق میں کتاب میں علم کا فیصلہ کیا گیا۔

فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ یعنی یہ وہ دن ہے جس کا تم انکار کرتے تھے۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝

''پس اس دن نہ نفع دے گی ظالموں کو ان کی عذر خواہی اور نہ انہیں اجازت ہوگی کہ توبہ کر کے الله کو راضی کر لیں''۔

قیامت کا علم اور اس دن کی معذرت انہیں کوئی نفع نہ دے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب مومنوں نے ان کو رد کر دیا انہوں نے دنیا کی طرف لوٹ جانے کا سوال کیا اور انہوں نے معذرت پیش کی تو ان کا عذر قبول نہ کیا گیا۔

وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ان کی وہ حالت نہیں جو رجوع کرنے والے کی ہوتی ہے، یہ جملہ بولا جاتا ہے: استعتبته فاعتبنی میں نے اس سے رضا کو طلب کیا پس اس نے مجھے راضی کر لیا۔ یہ اس صورت میں ہے جب تو اس پر جنایت کرنے والا ہو اعتبته کی حقیقت یہ ہے تو نے اس کی ناراضگی کو زائل کیا سورۂ فصلت میں اس کا بیان آئے گا۔ عاصم، حمزہ اور کسائی نے فیومئذ لا ینفع یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝

''اور بے شک ہم نے بیان فرمائی ہے لوگوں (کے بھلے) کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال اور اگر آپ لے آئیں ان کے پاس کوئی نشانی تو (جواباً) یہی کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا: نہیں ہو تم مگر باطل پرست یونہی مہر لگا دیتا ہے الله تعالیٰ دلوں پر جو (حق کو) نہیں جانتے سو آپ صبر فرمائیں بے شک الله کا وعدہ سچا ہے اور آپ کو پھسلا نہ دیں (راہ حق سے) وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے''۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ہر قسم کی مثال جو ان کی رہنمائی کرتی ہے جس کے وہ محتاج ہیں اور انہیں توحید اور رسولوں کی صداقت پر آگاہ کرتی ہے۔ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ آیہ سے مراد معجزہ ہے جس طرح سمندر کا پھٹنا، عصا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 323

اور دوسرے معجزات۔ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ کافر مومنوں کو کہیں گے: تم باطل اور جادو کی اتباع کرتے ہو۔ كَذٰلِكَ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہونے والی آیات کو نہیں سمجھتے، اسی طرح یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے جو توحید کے ادلہ کو نہیں جانتے۔ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ان کی اذیتوں پر صبر کرو بے شک اللہ تعالیٰ تیری مدد فرمائے گا۔ وَّ لَا یَسْتَخِفَّنَّكَ تجھے تیرے دین سے نہ پھسلا دیں جو یقین نہیں رکھتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد نضر بن حارث ہے۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مراد آپ کی امت ہے، یہ جملہ بولا جاتا ہے: استخف فلان فلانا فلاں نے فلاں کو حقیر جانا یہاں تک کہ اسے سرکشی میں اپنی اتباع پر برانگیختہ کیا، یہ نہی کی وجہ سے محل جزم میں ہے اسے نون ثقیلہ کے ساتھ موکد کیا تو اسے مبنی برفتحہ بنا دیا گیا جس طرح دو چیزوں کو مبنی برفتحہ بنایا جاتا ہے جب ان میں سے ایک کو دوری کی طرف مضاف کیا جاتا ہے۔ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ یہ محل رفع میں ہے عربوں میں سے کچھ کہتے ہیں الاذن یہ محل رفع میں ہے۔ سورۂ فاتحہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔